آخری التجا
عائشہ جاوید

ناول

عائشہ جاوید

آخری التجا

ہوائی جہاز کا پورا سفر انتہائی اضطراب اور بے چینی میں گزرا تھا۔سانس کا رک جانا کیا ہوتا ہے یہ اسے عین اس وقت پتا چلا تھا۔جب یہ اعلان اس کی سماعتوں میں گونجا تھا۔

"آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہوائی جہاز ٹھیک پانچ منٹ کے بعد پاک سرزمین پر لینڈ کرے گا۔آپ سے گزارش ہے کہ آپ لینڈنگ کے لیے تیار رہیں۔"

یہ اعلان سنتے ہی اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔کیا تھا آخر؟ رنج، دکھ یا ندامت؟ جانے کس احساس نے اسے شش و پنج کا شکار کر دیا تھا۔یہ پانچ منٹ کب گزرے تھے اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ ائیر پورٹ سے باہر نکلا جہاں ایک سفید رنگ کی گاڑی پہلے سے اس کی منتظر تھی۔وہ اپنے چچا کو دور سے بھی پہچان سکتا تھا سو اس نے پہچان لیا۔۔۔۔

"ویلکم مائی سن!" عابد چچا نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ان کی آنکھوں سے حذیفہ کے لیے چھلکتا پیار کوئی پہلی دفعہ نہیں تھا۔وہ حذیفہ کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے تھے۔وہ دونوں اب گاڑی میں سوار تھے۔

"سفر کیسا گزرا؟ کوئی مشکل تو نہیں ہوئی؟" چچا نے خاموشی کو توڑتے ہوئے سوال پوچھا۔

"جی اچھا رہا!" اب وہ اور کیا کہتا زندگی کا سب سے بدترین اور مضطرب سفر اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اصل میں وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

دونوں طرف ہی خاموشی تھی۔ اس کے چچا عابد اشتیاق سمجھ چکے تھے کہ لمبے سفر کی تکان کی وجہ سے حذیفہ چپ ہے ※ مگر اصل وجہ کیا تھی حذیفہ اس سے بخوبی آشنا تھا۔ گاڑی اب بڑے سے حسین و دلکش بنگلے کے دروازے پر ہارن دے رہی تھی۔ دروازہ کھولا جا چکا تھا مگر نہ جانے حذیفہ کو یوں لگا کہ قسمت نے اس کے لیے سارے دروازے ہی بند کر دیئے ہیں۔ گاڑی اندر جا کر رک گئی تھی اب جو اگلا مرحلہ تھا وہ اس سے واقف تھا۔ وہ اب پوری طرح سے حواس باختہ ہو چکا تھا۔ مسئلہ یہ نہیں تھا وہ سب کی نظروں کا سامنا کیسے کرتا مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ صرف اس کی نظروں کا سامنا کیسے کرے۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا اور اب اس کے پاس گاڑی سے اترنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا اس نے گاڑی سے اتر کر زمین پر قدم جمانے کی کوشش کی۔۔۔ قدم تھے جو آگے نہیں بڑھ رہے تھے ذہن تھا جو سیاہ ماضی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا سر مزید چکرایا اس نے اپنے قدم آگے بڑھائے اور وہ سر کے بل زمین پہ دھڑام سے گرا تھا۔ اس کے سر کے عقبی حصے میں بری طرح درد کی لہر اٹھی تھی۔ اپنے ارد گرد دو چار آوازیں محسوس ہوئی تھیں۔ اس کے ذہن کے پردوں اب مکمل طور پہ اب اندھیرا چھا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"ویلکم مائی پرنسس!" یہ آواز فجی کے لیے نئی نہیں تھی مگر طویل عرصے بعد اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ اس وقت اپنے تایا جان کے وسیع و عریض حسین بنگلے میں کھڑی تھی۔ دبئی ایئر پورٹ پر پچھلے ڈیڑھ گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد وہ اب دبئی کی سب سے مشہور جگہ جس کو اکیسویں صدی کی حیران کن تخلیق بھی کہا جاتا ہے "پام جمیرا" ٹاؤن میں موجود تھی۔ پام جمیرا کھجور کے درخت کی طرز پر قائم کردہ وہ ٹاؤن ہے جس کی کل سترہ شاخیں ہیں۔ ہر شاخ اپنے اوپر سینکڑوں کی تعداد میں بنگلے، بلڈنگز، شاپنگ مالز اور ریسٹورنٹ لیے پانی کے بیچ و بیچ کھڑی ہے۔ انہی میں سے ایک میں تایا جان کا محل نما بنگلہ بھی موجود تھا۔ فجی کے تایا اکبر اشتیاق کا شمار دبئی کے چند بڑے بزنس مین میں ہوا کرتا تھا۔ دس سال پہلے جب وہ پاکستان میں سب سے قطع تعلق کر کے دبئی چلے آئے تھے۔ تب ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا وہ خالی ہاتھ اپنی انا اور خود غرضی میں لڑ جھگڑ کر اپنی بیوی اور ایک بچے کے

ساتھ دبئی منتقل ہو گئے تھے۔لڑائی صرف اتنی تھی کہ جائداد میں انھیں ان کی مرضی کے مطابق حصہ نہیں دیا گیا تھا۔

اور اب وہ ایسی سینکڑوں جائداد کے مالک بن گئے تھے۔تائی جان بدقسمتی سے کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو چکی تھیں جس کی وجہ سے وہ زیادہ عرصہ حیات نہ رہ سکیں تھیں۔ کچھ عرصہ بعد تایا جان نے اپنے بیٹے کی دیکھ بھال کے لئے وہیں کسی لڑکی سے شادی کر لی تھی مگر مالی حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے یہ شادی بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔اب کچھ رشتہ داروں کے ذریعے یہ خبر ملی تھی کہ انھوں نے تیسری شادی کر لی ہے اور یہ شادی ان کے لیے بہت ہی اچھی ثابت ہوئی تھی وہ شہرت اور کامیابی کی اس منزل تک پہنچ گئے تھے جن کا انھیں ارمان تھا۔وقت نے اپنا پہیہ الٹا گھمایا تھا کسی خوشگوار حادثے نے ان کے شکستہ تعلقات بحال کر دیے تھے۔اکبر اشتیاق نے اپنے چھوٹے بھائی عابد اشتیاق کے بچوں کو دبئی آنے کی دعوت دی تھی۔اور ٹکٹ بھی تحفتاً اپنی طرف سے ان کے لئے بھجوائے تھے۔

ان دنوں ضحیٰ کی یونیورسٹی کی چھٹیاں چل رہی تھیں مگر ضحیٰ کا چھوٹا بھائی اپنی تعلیمی سرگرمی کے باعث ان کی دعوت قبول نہ کر سکا اس نے تایا جان سے معذرت کر لی تھی۔

عموماً ضحیٰ کبھی اکیلے سفر نہیں کیا کرتی تھی مگر اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ پورے دس سال بعد اپنے کزن سے ملنے والی تھی۔اف! خوشی کیا تھی کوئی ضحیٰ سے پوچھتا۔بچپن میں جو بات بات پر ضحیٰ سے جھگڑتا تھا۔جو اس کو ہمیشہ ستایا کرتا تھا۔اس کی گڑیا تک کہ بال بھی نوچ لیتا تھا۔وہ دونوں کتنا جھگڑتے تھے مگر کھیلتے دونوں ایک ساتھ ہی تھے۔فٹ بال سے لے کر چھپن چھپائی تک، آنکھ مچولی سے لے کر لڈو تک۔۔۔۔

"کیا ہی ہوتا کہ بچپن ان دونوں سے کبھی نہ بچھڑتا" مگر وقت کسی کے لیے نہیں رکتا اس کا تو کام ہی آگے بڑھنا ہے۔

ضحیٰ کو تو یہ بھی یاد تھا کہ وہ دبئی جاتے وقت جب آخری بار اس سے ملنے آیا تھا تو کتنا رو رہا تھا بعد میں وہ بھی اسے یاد کر کے کتنا روئی تھی۔پھر تو دس سال کیسے گزرے کسی کو خبر تک نہیں ہوئی تھی۔ضحیٰ اکثر و بیشتر اسے یاد کرتی رہی تھی اور دعا بھی کرتی رہی تھی کہ وہ جلد اس سے دوبارہ ملے اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھی مگر ساتھ ساتھ وہ گھبرائی ہوئی بھی تھی کہ جب وہ حذیفہ کو دیکھے گی تو کیا بات کرے گی۔پھر وہ اس کو دیکھ کر کیا ردعمل ظاہر کرے گا۔یہ سارے

سوالات اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے جن کا جواب اس کے پاس نہیں تھا شاید عنقریب ملنے والا تھا۔۔۔

تایا جان جو اس سے چند ہی فاصلے پر کھڑے تھے وہ اب ان سے گلے لگ گئی تھی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی بھی تھی رشتے کھو جانے کا غم کیا ہوتا ہے ان دونوں سے بہتر کون جان سکتا ہے۔

"میری بیٹی کتنی بڑی ہو گئی ہے۔" تایا جان نے ضحیٰ کے ماتھے کو چوما تھا۔

وہ جواباً مسکرائی تھی۔ تایا جان اب ضحیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے محل نما گھر میں لے جا رہے تھے۔ خوبصورتی کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ اسے باہر کھڑے وسیع و عریض لان میں ہی ہو گیا تھا۔ دونوں اطراف میں خوبصورت سا گارڈن جس میں طرح طرح کے رنگ برنگے پھول پودے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھر میں کسی کو باغبانی کا حد سے زیادہ شوق تھا۔ شام کی دھیمی دھیمی روشنی میں چار سو پھیلے ہوئے رنگ عجیب مگر حسین منظر دے رہے تھے۔ گھر میں داخل ہونے کے لیے الگ سی راہ بنائی گئی تھی۔ بڑے بڑے سفید سنگ مرمر کے بلاک جو زمین پر اس ترتیب میں بچھے ہوئے تھے جن کا رخ سیدھا گھر کے داخلی دروازے کی جانب تھا۔ ضحیٰ نے دور سے ہی لمبے قد و قامت اور مناسب جسامت والے شخص کو ان کی جانب بڑھتا دیکھا۔ اس کے بال سنہری رنگت کے تھے، رنگ انتہائی درجے تک صاف اور چمکتا ہوا تھا۔ چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی تھی۔ ذرا قریب آیا تو اس کی ہیزل گرین آنکھوں کو دیکھ کر ایک لمحہ لگا تھا ضحیٰ کو اسے پہچاننے میں ※ وہ شخص وہی تھا، اس کے بچپن کا ساتھی جو بعد میں اس کی یادوں کا حصہ بن گیا تھا۔ وہ اس پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پا رہی تھی نہ جانے کیا کشش تھی یا پھر اس میں وہ محبت ڈھونڈ رہی تھی جو دس سال پہلے ان میں بستی تھی۔۔۔۔۔۔

"حذیفہ! اپنی کزن ضحیٰ سے ملو' پاکستان سے خاص ہماری دعوت پر لمبی مسافت طے کر کے آئی ہیں۔" ضحیٰ کچھ حیران ہوئی تھی' تو کیا دس سال بعد حذیفہ کو اس تعارف کی ضرورت تھی؟ کیا اس نے ضحیٰ کو بھلا دیا تھا؟ اس کا ذہن یہ نہیں مان رہا تھا مگر سامنے کھڑی حقیقت کو بھی نہیں جھٹلایا جا سکتا تھا۔

"ہائے!" حذیفہ نے ضحیٰ پر سرسری نظر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔

"لگتا ہے کہیں جلدی میں جا رہا ہے۔" تایا جان نے ضحیٰ کی حیران کن نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اب گھر میں داخل ہو گئے تھے۔

"زیب! دیکھو کون آیا ہے۔"

ایک خوبصورت لڑکی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی شو دیکھ رہی تھی۔ اٹھ کر ان کی جانب آئی تھی۔

"ہائے! کیسی ہو؟" وہ اس سے انگریزی میں بات کر رہی تھی شاید وہ اردو زبان سے واقف نہیں تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" ضحیٰ نے بھی ان ہی کی زبان میں بات کی۔

رسمی سی سلام دعا کے بعد زیب اپنے کمرے میں چلی گئی تھی شاید وہ کم گو تھی یا ضحیٰ سے زیادہ بات چیت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ضحیٰ کو ان کے تعارف کی ضرورت نہیں تھی وہ جان چکی تھی کہ زیب اور تایا کا کیا رشتہ تھا۔ ملازم اب ضحیٰ کو جوس پیش کر رہا تھا ساتھ ہی ریفریشمنٹ کے لیے میز سجا دی گئی تھی۔ تایا ضحیٰ کو خود سرو کر رہے تھے۔ اسی دوران ضحیٰ کو فون بجنے کی آواز سنائی دی فون پر اپنے ابو کا نمبر دیکھا فوراً آن کر کے کان سے لگایا اور خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی' انہوں نے چند ضروری ہدایات دینے کے بعد تایا جان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"بابا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" ضحیٰ نے اکبر اشتیاق صاحب کی طرف فون بڑھاتے ہوئے کہا۔

تایا نے لوازمات سے بھری ہوئی ٹرے ضحیٰ کی جانب بڑھائی اور خود اپنے بھائی کے ساتھ گپ شپ کرنے لگے۔

ضحیٰ کو بھوک بلکل بھی نہیں لگ رہی تھی ✕ مگر تایا جان کا دل رکھنے کے لیے تھوڑا بہت کھانا پڑا۔ ضحیٰ کا ذہن تو ابھی بھی حذیفہ اور اس کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اگلی صبح وہ دیر سے بیدار ہوئی تھی ✕ وہ فریش ہو کر نکلی تھی تو اس کا فون بج رہا تھا اس نے فوراً آن کر کے کان سے لگایا۔

"کیسے ہو بھیا؟" ضحیٰ نے آن کر کے ہی سوال کیا۔ جیسے اسی کی کال کا انتظار تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں بھئی لوگ تو دبئی جا کر پوچھتے بھی نہیں۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بھیا آپ کو مس کر رہی ہوں۔"

"پر میں تمہیں بلکل بھی یاد نہیں کر رہا یار یہاں بہت سکون ہے پلیز وہیں رہ جاؤ۔" اس نے شرارتی انداز میں کہا۔

"ویسے تمہاری بلی کو میں نے بھگا دیا ہے۔" اس نے اس کی خاموشی دیکھی تو مزید تنگ کیا۔

"کیا! آپ نے میری بلی کو بھگا دیا؟" اس کا لہجہ ایسا لگ رہا تھا جیسے فون سے نکل کر جان لے لے گی۔

"ارے بھئی مذاق کر رہا ہوں بس جلدی آجاؤ ورنہ واقع بھگا دوں گا۔" مزید بات چیت کے بعد ضحیٰ نے فون رکھ دیا۔

وہ اب اپنے گھنے لمبے بال جو کہ کمر سے بھی نیچے آتے تھے انھیں سلجھا رہی تھی۔ اس کی نظر دیوار پر لگے آئینے پہ پڑی۔ اس نے خود پر گہری نظر ڈالی شاید وہ اس کی نظر نہیں تھی بلکہ حذیفہ کی تھی وہ ہی جس نے کل اسے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھا تھا، کیا تھا؟ کوئی کمی تھی؟ کیا وجہ تھی کہ حذیفہ ایک منٹ بھی اس کے پاس نہیں رکا۔

وہ عام طور پر جینز پر لمبا کرتا یا بند چاک والا فراک پہنتی تھی اور اپنے بالوں کو ہمیشہ سکارف یا اسٹول سے چھپایا کرتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بال کوئی بھی دیکھے۔ کئی سہیلیوں کی التجاؤں کے باوجود بھی مجال تھی کہ کسی تقریب میں اس نے بال کھولے ہوں۔ وہ بالوں کا پردہ اپنی مرضی سے کیا کرتی تھی۔ جس پر کبھی اس کے ماما بابا نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ وہ تمام تر سوچوں کو جھٹک کر اٹھی اور تیار ہو کر نیچے آئی جہاں ملازم اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے وہ سیدھا ڈائننگ ہال کی جانب بڑھی تھی۔ جہاں خانساماں مختلف کھانوں سے میز سجا رہے تھے۔

"ہیلو میم، آئی ایم لیڈی موبان۔"

(Hello Ma'am, I am lady Mauban)

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ آپ کا خیال رکھیں اور آپ کے لیے خاص کھانے تیار کروائیں تو آپ تشریف رکھیں۔"

ایک انگریز خاتون جس نے ہائی نیک کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر ہیٹ پہن رکھی تھی ہاتھ باندھے مودب انداز میں ضحیٰ سے انگریزی میں گفتگو کر رہی تھی۔ اب وہ ضحیٰ کے لئے کرسی کھینچ کر اسے بیٹھنے کی تاکید کر رہی تھی' میز پر کیا کچھ نہیں تھا دنیا کے سارے کھانے اس کی خدمت میں پیش کر دیے گئے تھے۔ مگر ضحیٰ کا دل تو ہر چیز سے اکتا گیا تھا۔ دنیا کی ہر نعمت تھی اس کے پاس یوں تو مگر جس شے کی تلاش میں وہ لمبی مسافت طے کر کے آئی تھی وہ اس کو ابھی تک نہیں ملی تھی۔

اس نے تھوڑا سا کھانا پلیٹ میں نکالا اور کھانے لگی۔اسے بائیں جانب جہاں ہال کا داخلی دروازہ تھا وہاں سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ ایک چھوٹی معصوم سی بچی تھی۔جس نے منی اسکرٹ پہنا تھا۔اس کی لمبی پونی جو یہاں سے وہاں جھوم رہی تھی وہ آہستہ آہستہ اپنے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر اپنی مخصوص کرسی کی طرف آرہی تھی۔

"لیڈی موبان؟" اس نے جیسے انہیں کچھ یاد دلایا تھا۔لیڈی نے رومال اس کی جانب بڑھایا۔

اس نے بہت سلیقے سے اسے کپڑوں پر بچھایا اور اب وہ اپنی پلیٹ میں خود ہی نوڈلز ڈال رہی تھی۔وہ اتنی سلیقہ مندی سے کھا رہی تھی کہ ضحیٰ بھی اپنے کھانے کے انداز پر غور کرنے لگی جبکہ وہ اپنے گھر میں عالیان سے بہتر انداز میں کھانا کھایا کرتی تھی۔

اچانک اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔

"اوہو موبان میرے فرینڈز میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس نے تھوڑا اور کھایا اور پھر فوراً سے باہر کی جانب بھاگی۔

ضحیٰ اس کیوٹ سی بچی کو دیکھ رہی تھی جو اب ہال سے باہر جا چکی تھی۔ساتھ ہی ساتھ وہ حیران بھی تھی کہ اتنی سی بچی فر فر انگریزی میں بات کر رہی تھی وہ بھی ہر اعتماد ہو کر مگر اسے یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے ضحیٰ کی موجودگی کو نظر انداز کیا تو کیا اس گھر میں کسی کو بھی اس کی موجودگی سے غرض نہیں تھا سوائے تایا جان کے۔

وہ بوجھل دل کے ساتھ ہال سے باہر نکلی اور بے مقصد گھر میں ٹہلنے لگی۔اس کی نظر لاؤنج میں موجود ایک وال پر پڑی جس پہ بہت ساری تصاویر آویزاں تھیں ان میں زیادہ تر حذیفہ کی تھی جن میں وہ گولڈن کپ کے ساتھ تھا تو کسی میں اس کو گولڈ میڈل پہنایا جا رہا تھا۔ایک دو تصاویر تو ایسی بھی تھیں جس میں وہ فٹ بال کھیل رہا تھا۔وہ تصاویر سے فٹ بال چیمپئن معلوم ہوتا تھا۔ایک دو جگہ زیب اور ننھی سی بچی کی تصاویر بھی تھیں۔اسی وال کے نیچے شیلف پر سارے کپ اور میڈلز رکھے ہوئے تھے۔

اس کو یاد آیا کہ بچپن میں وہ جب بھی اس کے ساتھ فٹ بال کھیلتی تھی تو سب سے زیادہ گولز وہ ہی کرتا تھا اور وہ کبھی اس سے جیت نہیں پائی تھی۔

بچپن بھی کتنا عجیب ہوتا ہے نہ ہی کوئی فکر، نہ ہی سمجھداری بس اپنی ہی دنیا اور اس میں کھیل، کھلونے اور آپ ہوتے ہیں۔

وہ یہ سوچتے سوچتے کب لان میں آ گئی تھی اسے خبر نہیں ہوئی تھی وہاں پر بچوں کی شور شرابے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تھوڑا آگے بڑھ کر اس نے دیکھا تو وہ ہی کیوٹ سی بچی جس کے ساتھ چار پانچ بچے اور بھی تھے وہ سب فٹ بال کھیل رہے تھے۔ اس نے انہیں ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا اور وہیں پاس میں بینچ پر بیٹھ گئی اور ان سب کو ہنستا کھیلتا دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ وہ ان کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک بال اس کے پاس آ گئی سب بچے اس کی طرف دیکھنے لگے وہ کھڑی ہوئی اور ہلکی سی بال پر کک ماری تو بال سیدھا ان کے پاس پہنچی وہ پھر سے کھیلنا شروع ہو گئے اور وہ وہاں سے اٹھ کر اندر چلی آئی۔

☆.....☆.....☆

"ہائے سویٹ ہارٹ!" مریسہ اس کے گلے لگ کر اب اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

"ہائے ڈارلنگ۔" حذیفہ نے جواباً مسکرا کر کہا۔

"زیفی کب سے کہاں گم ہو گئے تھے، میں پورے کالج میں ڈھونڈ رہی تھی۔" اس نے کچھ خفگی ظاہر کی۔

"یار مریسہ! تمہیں تو پتہ ہے سر پیٹرک کی کلاس میں مجھے نیند آتی ہے۔" اس لیے میں یہاں آ کر بیٹھ گیا۔

"اوکے، تو تم ہمیں بلکہ خاص طور پر مجھے ٹریٹ کب دے رہے ہو۔" اس نے اب بات بدلی تھی اور اپنے مقصد کی بات پر آئی تھی۔

"کون سی ٹریٹ؟" وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

"تم بھول گئے؟ یاد ہے تم نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ اگر میں جینیفر کے اسکرٹ پر ڈرنک گرا دی تو تم مجھے وہ دو گے جو میں چاہوں گی۔"

حذیفہ نے زوردار قہقہہ بلند کیا۔

"میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ سب تم میرے سامنے کرو گی۔" حذیفہ نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہی میں نے وڈیو بنالی تھی۔" اب وہ اس کو اپنے سمارٹ فون کے ذریعے وڈیو

دکھا رہی تھی۔

"تو کیا واقع تم نے؟" جیسے اسے یقین نہیں آ رہا ہو۔

"ہاں تو میرا نام بھی مریسہ ہے۔" اپنے آپ کو خود شاباشی دینے لگی۔

"کمال کر دیا یہ تو تم نے، اب میں یہ وڈیو پوری کلاس کو سینڈ کر دوں گا۔ پھر دیکھتا ہوں کہ اس کی ایگو اور ایٹیٹیوڈ کیسے مٹی میں ملتا ہے۔"

"ویسے یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے زیفی، ڈرنک گرنا تو عام سی بات ہوئی۔" مریسہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے یہ بہت ہی خاص بات ہے اس نے میرا مذاق اڑایا تھا اور اب اس کا مذاق بنے گا۔" اس نے ایک بار پھر وڈیو کو پلے کیا تھا۔

"ویسے داد دینی پڑے گی تم نے بہت ہی اچانک اس پر حملہ کیا تھا۔" حذیفہ نے ایک پرزور قہقہہ لگایا۔

"ہاں اور اس کے بعد مجھے جو گالیاں سننی پڑیں اس کا کیا؟" مریسہ نے خفگی کا اظہار کیا۔

"ہاں ہاں وڈیو میں سنائی دے رہی ہیں۔"

مریسہ خاموش رہی۔

"ویسے اس کی ٹریٹ تمہیں بہت جلد ملے گی۔" اس نے اس کے فون سے وڈیو اپنے فون میں بلیوٹوتھ کے ذریعے منتقل کی۔

"اب میں چلتا ہوں۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور کھڑا ہوا۔

مریسہ بھی ساتھ کھڑی ہوئی۔

"تم رات کو کلب آؤ گے نا؟" مریسہ نے یاد دہانی کروائی۔

"ہاں بلکل ابھی تو تھک گیا ہوں۔ گھر جا کر آرام کروں گا۔"

"بائے سویٹ ہارٹ۔" اس نے مریسہ کو گلے لگایا اور اپنی کار سٹارٹ کر کے نکل گیا۔ مریسہ اس کی کار کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

"ہیلو لیڈی موبان! کیا آپ میرے کمرے میں ایک جوس کا گلاس بھجوا دیں گی۔" حذیفہ نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان سے کہا تھا جو ابھی اوپر سے کمروں کا جائزہ لے کر نیچے ہی آ رہی تھیں۔

"بلکل!" لیڈی موبان نے اس کی رفتار دیکھ کر مختصراً جواب دیا۔

ضحیٰ نے اسے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ آج وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرے گی اور اگر کوئی ناراضگی یا غلط فہمی ہوئی تو وہ دور کرے گی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"لیڈی موبان! لائیں یہ گلاس مجھے دیں میں لے جاتی ہوں۔" موبان کے اعتراض کے باوجود بھی اس نے گلاس لے لیا اور دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

وہ فریش ہو کر بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اپنے فون میں ٹائپنگ کر رہا تھا۔

"حذیفہ۔" ضحیٰ نے بمشکل بولنے کی ہمت کی تھی۔

"تم؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔؟"

"کس نے تمہیں اندر آنے کی اجازت دی؟"

حذیفہ کا رویہ دیکھ کر وہ بری طرح گھبرائی تھی۔

وہ۔۔۔ میں، میں اس کی ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے گلاس نیچے گر چکا تھا اور وہ مزید گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔۔۔۔

وہ اب اپنے کمرے میں زار و قطار رو رہی تھی۔

آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے، ذہن تھا کہ اس تلخ حقیقت کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ وہ واپس نہیں جا سکتی تھی مگر وہ اپنوں میں پرائے لوگوں کی طرح بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ اب کیا کر سکتی تھی سوائے صبر کے۔۔۔۔

اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حذیفہ سے کبھی نہیں ملے گی نہ ہی اس کے سامنے آئے گی اور نہ ہی کوئی بات کرنے کی کوشش کرے گی۔

☆.....☆.....☆

ضحیٰ کو اب تک زیب کی روٹین پتہ نہیں چل سکی تھی اور نہ ہی وہ جاننا چاہتی تھی۔

یہ دبئی میں اس کا پہلا اتوار تھا جب صبح کے ناشتے پر پوری فیملی ساتھ تھی۔

"گڈ مارننگ!" ضحیٰ ہال میں آتے ہی کہہ کر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گئی۔

سب نے ہی اس کا جواب دیا سوائے حذیفہ کے۔

"بابا آج شام کو میرے کچھ دوست آئیں گے میں نے چھوٹی سی پارٹی ارینج کی ہے۔" حذیفہ نے جیسے اکبر صاحب کو رسماً بتایا تھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے اسی بہانے ضحیٰ کو کمپنی مل جائے گی وہ بھی جب سے آئی ہے بوریت کا شکار ہے۔" اکبر اشتیاق نے جیسے فوراً ہی بھتیجی کی بوریت کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔

حذیفہ نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔

"ضحیٰ آپ جب سے آئیں ہیں سوائے ایک دو شاپنگ مالز کے کہیں بھی نہیں گئی۔ آج تو حذیفہ کی مصروفیات ہیں کچھ ※ کل وہ آپ کو دبئی کی اور مشہور جگہوں پر لے جائے گا۔ کیوں حذیفہ؟"

"ڈیڈ کل تو مجھے بہت ہی ضروری کام سے جانا ہے۔۔۔ کالج میں اسائنمنٹ جمع کروانے کی آخری تاریخ ہے۔" وہ کسی صورت بھی اس کو اپنے ساتھ کہیں بھی لے کر جانا نہیں چاہتا تھا۔

ادھر ضحیٰ بھی دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ وہ منع کر دے۔

"ہاں تو بیٹا ※ کل کالج سے فارغ ہو کر لے جانا۔"

حذیفہ دانت پیس کر رہ گیا اور ضحیٰ کو خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا۔۔۔ جوس کا گلاس اٹھا کر ہال سے باہر نکل گیا۔

تایا جان اسے دیکھتے رہے۔

☆.....☆.....☆

پارٹی کا اہتمام اوپر ٹیرس پر کیا گیا تھا اور تیز گانوں کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پارٹی زور و شور سے جاری ہے۔ ضحیٰ اوپر جانے کے بجائے تیار ہو کر نیچے آئی ※ جہاں حذیفہ اپنے دوستوں سے ہیلو ہائے کرنے میں مصروف تھا۔

حذیفہ کے دوستوں میں لڑکوں کے علاوہ لڑکیاں بھی تھیں اور وہ بھی انگریز لڑکیاں جن کی ڈریسنگ اعتراض کن تھی۔اور وہ حذیفہ کے ساتھ چپک چپک کر تصویر لے رہی تھیں۔ضحیٰ کو یہ بات ناگوار گزری تھی اس کا دل اکتانے لگا تھا۔حذیفہ بدل گیا تھا پر اتنا۔۔۔یہ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا وہ وہاں سے گزرتی ہوئی سیدھی اوپر چلی آئی۔

"زیفی یہ لڑکی کون ہے؟" مریسہ اور میلڈن نے ضحیٰ کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

"چلو اوپر ٹیرس پر چلتے ہیں۔" حذیفہ نے جواب دینے کے بجائے اوپر چلنے کا کہا۔

گانوں کی آواز پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔۔۔ضحیٰ کو اپنے کمرے میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی لہذا وہ باہر نکل آئی تھی۔

"ارے ضحیٰ! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس کے عقب میں کھڑی زیب اس سے پوچھنے لگی۔

وہ جواباً خاموش رہی۔

"اوپر جاؤ حذیفہ تمہارا پوچھ رہا تھا۔" ضحیٰ کو لگا جیسے اس کے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہو مگر بعد میں یقین آیا کہ صحیح سنا ہے اس کے ذہن میں کئی سوالات گھومنے لگے۔اس کو پارٹی میں شرکت کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر جانا پڑا۔۔۔

ٹیرس پر کلب جیسا سماں تھا تمام لڑکے لڑکیاں ڈانس کر رہے تھے۔ویٹر ڈرنک سرو کر رہے تھے ساتھ ہی ساتھ سموکنگ اور شیشہ پیا جا رہا تھا۔اس کی نظر حذیفہ پر پڑی جو تین چار لڑکیوں کے بیچ بیٹھ کر شیشے کے کش لگا رہا تھا۔ان میں سے ایک نے ضحیٰ کو دیکھ لیا تھا اور وہ اس کے پاس اٹھ کر چلی آئی۔

"ہائے یہاں کیوں کھڑی ہو؟ اندر آؤ نا۔" وہ اس کو کھینچ کر ڈانسنگ فلور پر لے گئی جہاں پر لڑکے لڑکیاں ڈانس کر رہے تھے۔اس نے لاکھ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ اسے فلور کے عین بیچ میں لے گئی۔وہ حذیفہ کو پکار رہی تھی مگر شور اتنا تھا کہ کوئی کسی کی بھی نہیں سن سکتا تھا۔ڈانسنگ فلور پر اب اس کو تین چار لڑکوں نے گھیر لیا تھا۔وہ اب باقاعدہ آنسوؤں کے ساتھ رو رہی تھی اور لڑکے اس کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ضحیٰ کی سانس لوٹ آئی تھی۔

"تم لوگ اس کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔"

ضحیٰ جس نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی تھیں اس سوال پر چونک کر اپنی آنکھیں کھول لی تھیں وہ حذیفہ نہیں تھا کوئی اور ہی تھا۔ جو کوئی بھی تھا اس وقت رحمت کا فرشتہ بن کر آیا تھا۔

"چلو ہٹو یہاں سے۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے راستہ بنایا ضحیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے آیا۔

"آپ یہاں بیٹھیں میں ابھی آیا۔" اس کو بٹھا کر وہ واپس اندر گیا اور اس کے لیے جوس لے کر واپس آیا۔

"یہ لوگ آپ سے بہت مختلف ہیں تو آپ اندر شرکت نہ ہی کریں تو بہتر ہوگا۔" اس نے جوس کا گلاس تھماتے ہوئے کہا۔

"ویسے میں فواد سکندر ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"اور آپ؟" وہ کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ۔۔۔۔۔

"ارے فواد تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" حذیفہ کی آواز ضحیٰ کے لیے نئی نہیں تھی اور اب وہ فواد کے کندھے میں ہاتھ ڈالے اسے اندر لے جا رہا تھا۔ فواد نے ایک بار پلٹ کر دیکھا تھا۔ مگر ضحیٰ حواس باختہ ہو چکی تھی تھوڑی دیر پہلے جو ہوا تھا وہ اسے بلا نہیں پا رہی تھی، نہ ہی بھلا سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

"سنو تیار ہو جاؤ۔ بابا نے کہا ہے تمہیں شاپنگ پر لے جاؤں۔" ضحیٰ لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہی تھی جب حذیفہ نے آ کر اسے کہا۔

"مجھے نہیں جانا شاپنگ پر۔" ضحیٰ نے دیکھے بغیر ہی جواب دیا۔

حذیفہ اب کال ملا رہا تھا۔

"ہیلو بابا! آپ کی مہمان شاپنگ پر نہیں جانا چاہتی۔ یہ لو بات کرو۔" اس نے فون صوفے پر پھینکا تھا۔

ضحیٰ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ افسوس بھی کرنے لگی تھی کہ سامنے موجود بندے کو مہمان سے بات کرنے کے آداب بھی نہیں آتے تھے۔

"اسلام علیکم! تایا جان میرا دل نہیں کر رہا آج جانے کا۔"

"پلیز تایا جان۔" وہ التجا کر رہی تھی کسی بھی طرح وہ مان جائیں مگر انھوں نے تو جیسے ضد ہی بنا لی تھی۔

ضحیٰ نے فون وہیں رکھا اور اوپر کمرے میں تیار ہونے چلی گئی اس کو دس منٹ لگے تھے واپس آنے میں۔

وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے ہر جگہ نظر دوڑائی مگر وہ نظر نہیں آیا۔ وہ باہر گئی تو وہ گاڑی ریورس کر رہا تھا اس کو دیکھ کر روک دی۔

وہ بہت ہی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اس نے تیز آواز میں انگلش گانے بھی آن کر لیے تھے۔ ضحیٰ کو اتنے تیز آواز میں گانے سننے کی عادت بھی نہ تھی اور اسے سننا منع بھی تھے۔ درد کی لہر ایک بار پھر اس کے دل کے پاس اٹھی تھی۔ حذیفہ کو کچھ بھی کہنا پتھر پر لکیر کھینچنے کے برابر تھا۔

اس نے عین شاپنگ مال کے آگے گاڑی روکی ضحیٰ اتر گئی اسے لگا کہ وہ بھی کار پارک کر کے آئے گا مگر یہ اندازہ اس کا غلط ثابت ہوا تھا وہ اس کو ڈراپ کر کے جا چکا تھا اور ضحیٰ وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"کوئی انسان اتنا پتھر دل کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ بے مقصد مال میں ونڈو شاپنگ کرتی رہی اب اس کا دل کسی بھی چیز کو خریدنے کے لیے راضی نہ تھا بس وہ گھر پہنچنا چاہتی تھی وہ مال سے باہر نکلی اس نے یہاں وہاں نظر دوڑائی شاید وہ وہاں کھڑا ہو مگر وہ بھی کیا سوچ رہی تھی جو انسان اس لڑکی کو اپنی نوکرانی بھی نہ سمجھتا ہو وہ اس کا باہر کھڑے ہو کر انتظار کرتا۔ وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

جس وقت گھر میں داخل ہوئی حذیفہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔

"تو تم نے اچھا بہانا ڈھونڈا مجھے بابا کے سامنے ذلیل کرنے کا۔" حذیفہ نے باہر لان میں ہی اسے سنانا شروع کر دیا۔

"میں نے؟" ضحیٰ نے حیران کن نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال پوچھا۔

"تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

"تم مجھے بابا کی نظروں میں لاپروا اور خود غرض ثابت کرنا چاہتی ہو۔"

ضحیٰ بہت کچھ بولنا چاہتی تھی، بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر وہ اس قدر چلا کر بات کر رہا تھا کہ ضحیٰ کے ماتھے پر پسینے آنے لگے تھے جیسے مجرم وہ نہیں ضحیٰ ہو۔ حذیفہ کی آواز اس قدر بلند تھی کہ تایا جان بھی دوڑتے ہوئے باہر آئے تھے۔

"ضحیٰ بیٹا۔ آپ کب سے کہاں تھی؟" ضحیٰ کی آواز بھرائی تھی وہ جواب دینا چاہتی تھی مگر زبان تھی جو ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"آپ کو پتا ہے حذیفہ کب سے کتنا پریشان تھا آپ کے لیے آپ ذرا دیر کرتی تو ہم پولیس اسٹیشن جانے والے تھے۔" تایا کو اب اس پر غصہ آرہا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں ریسٹ روم جا رہا ہوں تم میرا وہیں انتظار کرنا پھر تم غائب کیوں ہوگئی۔"

ضحیٰ کی آنکھوں سے اب دریا بہنے لگا تھا یہی سوال تو وہ بھی اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ غائب کیوں ہوگیا تھا۔ زیب کی کمی تھی سو وہ بھی تماشائی بن کر تماشہ دیکھنے آگئی تھی۔

"چلو جو ہوا سو ہوا لیکن ضحیٰ بیٹا آئندہ خیال رکھنا اگر آپ کو کچھ بھی ہوگیا تو میں عابد کو کیا جواب دوں گا۔" تایا جان اب ضحیٰ کے کندھے تھپتھپاتے ہوئے اسے اندر لے جا رہے تھے۔ ضحیٰ بغیر کوئی بات کہے اوپر چلی گئی۔

اس نے روم لاک کیا اور وہیں دروازے کے پاس بیٹھ کر زار و قطار رو رہی تھی۔ بات غیر معمولی نہیں تھی اور اتنی آسانی سے بھلائی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ اڑ کر اپنے ماما بابا کے پاس چلی جائے مگر ایسا فل وقت ممکن نہیں تھا۔

آخر حذیفہ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اس کا ذہن اسی سوال کے جواب کی تلاش میں تھا وہ رات بھر سو نہیں سکی تھی صبح وہ تایا جان سے بات کرنے آئی جب وہ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر نیوز دیکھ رہے تھے۔

"ارے ضحیٰ بیٹا آؤ۔ یہاں بیٹھو۔" انہوں نے ضحیٰ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر کہا۔

اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو اور اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر تایا جان کو ایک لمحہ لگا تھا وجہ تلاش کرنے میں۔

"دیکھو بیٹا! جو ہوا اسے بھول جاؤ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے ہم کل اس لیے تمہارے لیے پریشان تھے کیونکہ دبئی تمہارے لیے نیا شہر ہے یہاں کے راستوں اور جگہوں سے تم ابھی واقف بھی نہیں ہو۔ ہمیں بہت فکر ہو رہی تھی کہ کہیں تمہارے ساتھ حادثہ نہ پیش آجائے۔" تایا جان نے پچھلی رات کی کیفیت سے اسے آگاہ کیا۔

ان کا فکر مند ہونا ضحیٰ کے لیے جائز تھا۔ مگر اصل بات کیا تھی وہ ضحیٰ اور حذیفہ کے علاوہ کون جانتا تھا۔

"تایا جان میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ مجھے واپس پاکستان جانا ہے ماما بابا کی بہت یاد آرہی ہے۔"

تایا جان اسے خاموش نظروں سے دیکھنے لگے۔

"اتنی جلدی تم ہم سے بیزار ہوگئی۔" تایا جان نے خفگی ظاہر کی۔

"نہیں، نہیں تایا جان ایسی بات نہیں ہے۔ میری چھٹیاں بھی اب ختم ہونے والی ہیں اور پھر میں اپنے گھر سے اتنا دور رہی بھی نہیں ہوں۔" ضحیٰ نے ان کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا تو یہ وجہ ہے دیکھو بھئی بات یہ ہے کہ اگلے ہفتے میں حذیفہ کی سالگرہ ہے۔ اور میں ایک سرپرائز پارٹی دینا چاہتا ہوں سوچا تھا کہ تم ساتھ دو گی تو میں آسانی سے سارے کام کرسکوں گا۔"

"تم رات تک سوچ کر بتا دو کہ تم واقعی جانا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے میں کل ٹکٹ بک کروا دوں گا۔" تایا جان صوفے سے اٹھ کر اب باہر کی طرف بڑھ گئے اور ضحیٰ پھر سے اسی شش و پنج کا شکار ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

زیفی، زیفی، زیفی۔۔۔۔ میلڈن دور سے چلاتے ہوئے حذیفہ کی طرف دوڑی چلی آرہی تھی۔

حذیفہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ سموکنگ میں مصروف تھا۔ اس کو یوں بدحواس دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔

"زیفی تمہیں پتا ہے مریسہ اور جینیفر کی بری طرح سے لڑائی ہوگئی ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو نوچ رہی ہیں۔ مریسہ کو تو بہت چوٹ لگی ہے تم پلیز جلدی چلو۔" حذیفہ اور تمام دوست بھاگتے ہوئے کلاس روم کی طرف گئے۔ وہاں بہت سے لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ حذیفہ اور دیگر دوستوں نے ہجوم میں داخل ہوتے ہی لڑائی روکنے کی کوشش کی۔ مریسہ کے ماتھے سے بہت خون بہہ رہا تھا۔ حذیفہ نے مریسہ کی یہ حالت دیکھی تو اسے جینیفر پہ بے حد غصہ آیا۔ اس نے بغیر کچھ سوچے اس کو ایک ساتھ تین تھپڑ رسید کیے۔ اسی دوران جینیفر کے گروپ کے سارے لڑکے آن پہنچے تھے یہ تین تھپڑ حذیفہ کو اتنے مہنگے پڑ سکتے تھے یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ تین چار موٹے لڑکوں نے حذیفہ کو گھیرے میں لے لیا۔ کسی نے اس کی پیٹھ پر حملہ کیا، کسی نے اس کے پیٹ پر اور اب وہ اس کو لاتوں گھونسوں سے مار رہے تھے۔ مریسہ مدد کے لیے چلا رہی تھی مگر ہجوم میں کھڑے کسی ایک

بندے نے بھی آگ میں کودنا مناسب نہ سمجھا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا اگر کالج کے پروفیسر بروقت نہ پہنچتے تو ممکن تھا کہ اڑتی ہوئی چنگاریاں آگ کی صورت اختیار کر لیتی۔ پروفیسر کے آتے ہی لڑکوں کے گروپ کے ساتھ ہجوم بھی رفو چکر ہو گیا۔ سوائے مریسہ، میلڈن اور دو تین لڑکوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ حذیفہ خون میں لت پت زمین پر اوندھے منہ پڑا تھا پانی کے کچھ چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لایا گیا۔ اس کو فوراً کالج کے میڈیکل روم منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹرز نے اس کی مرہم پٹی کی بروقت میڈیکل روم میں منتقل کرنے سے جسم سے خون کی مقدار کو کم ہونے سے روک لیا تھا۔

"آئی ایم سوری حذیفہ۔" مریسہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی حالت کو دیکھ کر رونے لگی تھی، میلڈن بھی ساتھ کھڑی افسردہ دکھائی دے رہی تھی۔

"ارے پاگل! یہ تو ہوتا رہتا ہے۔" حذیفہ کی گردن پر بیلٹ لگا تھا جس کی وجہ سے وہ ان دونوں کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

"مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی مریسہ تم اس جنگلی بلی کے منہ کیوں لگی۔" ساتھ کھڑے دانیال نے اس کی حرکت پہ خفگی ظاہر کی۔

"لڑائی اس نے شروع کی تھی میں تو کلاس آف ہونے کے بعد کیفے جا رہی تھی اس نے میرا راستہ روکا۔" مریسہ نے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"اب تم لوگ یہاں لڑنا بند کر دو پلیز۔" حذیفہ اس بحث سے اب تنگ آگیا تھا۔

"مجھے گھر لے چلو۔" حذیفہ نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر درد شدید ہونے کے باعث اٹھ نہیں پا رہا تھا۔

"حذیفہ مائے سن! یہ تمہیں کیا ہو گیا، یہ سب چوٹیں کیسے لگیں؟ کیا پھر کسی سے لڑائی ہوئی تمہاری؟" اکبر اشتیاق حذیفہ کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے تھے ساتھ ہی انہیں حذیفہ کی حرکتوں پر غصہ بھی آرہا تھا۔

"بابا کچھ نہیں ہوا بس کالج میں ایک دوست سے لڑائی ہوئی تھی بات چھوٹی تھی مگر اس نے بات کا بتنگڑ بنا دیا آغاز اس نے کیا تھا تو انجام تک مجھے لے جانا پڑا۔" حذیفہ پلنگ پر چت لیٹا ہوا تھا کیونکہ گردن تو وہ ویسے بھی

نہیں ملا سکتا تھا۔

"بیٹا تم ان لڑکوں کے منہ لگتے ہی کیوں ہو؟" آج کل کوئی لڑکا یا لڑکی کہاں کسی کا لحاظ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے تو پستول کا ٹریگر دبانا بھی معمولی بات ہے۔"

"مہربانی کر کے ان سے دور رہا کرو۔"

حذیفہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا وہ نہ تو بحث کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی کوئی مزید بات۔

"کل ہم کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔" اکبر اشتیاق نے اس عنوان سے ہٹ کر بات کرنا مناسب سمجھا۔

وہ اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ کر کمرے سے رخصت ہوئے۔

"کیا یار میں تو بیڈ کا ہی ہو کر رہ گیا ہوں، نہ تو اٹھ سکتا ہوں نہ ہی گھوم پھر سکتا ہوں اور نہ ہی گردن گھما سکتا ہوں۔ میری لائف کا تو جیسے بینڈ ہی بج گیا ہے۔" وہ اس وقت اپنے دوست سے فون کال پہ بات کر رہا تھا جب ضحیٰ اس کے لیے چکن سوپ بنا کر لائی تھی۔

"چلو تجھ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" حذیفہ نے ضحیٰ کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" حذیفہ اسے اس وقت کمرے میں دیکھ کر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔

"میں سوپ بنا کر لائی ہوں۔ اس سے تم جلدی صحت یاب ہو جاؤ گے۔" وہ اب پیالے میں اس کے لیے سوپ نکال رہی تھی۔

"تمہیں میری فکر کرنے کے لیے کس نے کہا ہے؟"

"نہ تو مجھے تم میں کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی تمہارے ہاتھ کے بنے سوپ میں۔" حذیفہ نے چیختے ہوئے اس سے کہا تھا۔

ضحیٰ نے اس کی طرف سوپ کا پیالہ بڑھایا مگر اس نے ہاتھ مار کر اسے دور پھینک دیا۔

"ایک بات سمجھ نہیں آتی تمہیں، تمہیں تو خوشی ہو رہی ہو گی مجھے اس حالت میں دیکھ کر ※ آخر اس کا حساب جو پورا ہو گیا میں تمہیں مال میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا پھر جو واپسی پر تمہارا استقبال ہوا تھا۔ سو مس ضحیٰ آپ کا بدلہ پورا

ہوگیا، اب آپ مجھ پر اور میری حالت پر ہنسنا چاہتی ہیں۔" ضحیٰ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کب سے کیا بک رہا تھا مگر جو بھی تھا اس کے الفاظ ضحیٰ کے دل کو زخمی کر رہے تھے اتنا کہ دل لہولہان ہوگیا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ وہ باہر نکل کر بہت روئی۔ حذیفہ اس سے کیوں اس قدر خفا تھا؟ کیوں وہ اس سے اتنا ناپسند کرتا تھا۔ کیوں وہ اپنے اور اس کے رشتے کی باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر کیوں تھا۔۔۔؟ اس کیوں کا جواب تو وہ پچھلے تین ہفتوں سے ڈھونڈ رہی تھی مگر وہ مسلسل کوشش کے باوجود بھی ناکام ہو رہی تھی۔ کچھ سوالات کے جواب وقت سے بہتر کوئی نہیں دے سکتا اور جب وقت جواب دیتا ہے تو کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔

☆.....☆.....☆

ضحیٰ اب گھر واپس جانے کے لیے بے تاب تھی۔ وہ اب دن گن رہی تھی۔ وقت تھا جو گزرتا نہیں تھا۔ لمحے تھے جو رک سے گئے تھے وہ کبھی اپنے گھر والوں سے اتنا دور نہیں رہی تھی۔ اگر یہاں وہ ان سے ملنے کے لیے مضطرب تھی تو وہاں ضحیٰ کے گھر والے اداس سے ہو گئے تھے۔ روز فون کالز، اسکائپ پر بات کرنے کے باوجود بھی وہ ہر وقت ضحیٰ کے لیے پریشان رہتے آخر وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور وہ بھی لاڈلی۔۔۔۔!

سوچا تھا کہ دس سالوں میں، دلوں میں جو فاصلے پیدا ہو گئے ہیں انہیں محبتوں، الفتوں اور خدمت کر کے مٹا دے گی مگر یہاں تو بہت کچھ بدل گیا ہے اور اب کبھی بھی وہ محبت واپس نہیں آسکتی۔ جو پہلے ہوا کرتی تھی کیونکہ دلوں میں موجود محبت کی جگہ امیری، شہرت، خود غرضی اور انا پرستی نے لے لی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنوں میں ہی اپنا آپ غیر محسوس کر رہی تھی۔

"میم آپ کو صاحب لان میں بلا رہے ہیں۔" ضحیٰ اپنی سوچ کے طوفان میں غرق تھی جب ملازم دستک دے کر کمرے میں اکبر اشتیاق کا پیغام پہنچانے آیا۔ ضحیٰ کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی چل دی۔

آج اکبر اشتیاق اپنے معمول سے ہٹ کر ہاف ڈے کر کے ہی آگئے تھے۔

"اسلام علیکم تایا جان!" ضحیٰ سلام کرتے ہی ان کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم اسلام ضحیٰ کیسا دن گزر رہا ہے؟" تایا جان نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"اچھا گزر رہا ہے، آپ آج جلدی آگئے؟" وہ واقع حیران ہوئی تھی انہیں اس ٹائم پر دیکھ کر کیونکہ وہ رات

دیر گھر لوٹتے تھے۔

"ہاں آج کام جلدی نمٹ گیا تو سوچا تم لوگوں کو کہیں باہر لے جاؤں تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم جمیرا بیچ جائیں گے اور اس کے بعد تمہیں یہاں کے سب سے اچھے ریسٹورنٹ میں ڈنر کروائیں گے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

کچھ دیر پہلے جس طوفان نے ضحیٰ کو اتھل پتھل کر دیا تھا اس میں اسے اب واپس زندگی کی کرن نظر آ رہی تھی۔ وہ اس زندگی کو اب جینا چاہتی تھی۔

"میں بس ابھی آئی۔" خوشی کی انتہا نہیں تھی اب تک وہ تایا کے ساتھ کہیں گھومنے نہیں گئی تھی اور نہ ہی تایا نے اسے اس طرح اپنا وقت دیا تھا۔ مصروف زندگی میں سے وقت نکالنا مشکل کام ہوتا ہے مگر اس کے تایا نے آج اپنے بچوں کے لئے وقت نکالا تھا۔ وہ جب تیار ہو کر آئی تو وہ اس کا گاڑی میں ہی انتظار کر رہے تھے۔ تایا کی گاڑی کے شیشے بلیک کوٹڈ تھے جس سے اندر بیٹھے لوگوں کو باہر کھڑے لوگ نہیں دیکھ سکتے ضحیٰ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس نے جب اپنے برابر میں اس بے مروت شخص کو دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ حیران بھی ہوئی تھی اور پریشان بھی آج تو حیران ہونے کا دن تھا۔

"سب آ گئے ڈرائیور گاڑی سٹارٹ کرو۔" اکبر اشتیاق نے پہلے تصدیق کی پھر ہدایت دی۔ اب ان کی گاڑی دبئی کی سڑک پر رواں دواں تھی۔

حذیفہ کے زخم اب کافی حد تک بھر چکے تھے، گردن سے بیلٹ بھی ہٹ گیا تھا مگر اس کی گردن گاڑی کی ونڈو سے نہیں ہٹ رہی تھی وہ یک سو ہو کر باہر کے نظارے کر رہا تھا کیونکہ اندر بیٹھے لوگوں میں اسے دلچسپی نہیں تھی۔۔۔۔

دبئی کا موسم آج انتہائی خوشگوار تھا اور ضحیٰ کے دل کو بھی آج عجیب سا اطمینان تھا۔ جمیرا بیچ سے کچھ فاصلے پر ہی وہ اتر گئے تھے۔ وہ چھوٹی بچی زونی بھی آگے آگے تھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس کی پسندیدہ جگہوں میں سے ایک ہے اس نے ایک ہاتھ میں بال اور دوسرے میں چھوٹی بکٹ (Bucket) پکڑ رکھی تھی۔ ضحیٰ کے ہاتھ میں فوڈ باسکٹ تھی۔ وہ لوگ ایک جگہ پر سامان رکھ کر پانی کی آتی جاتی لہروں کی طرف گئے تھے۔ حذیفہ کے اصرار کے

باوجود بھی زونی کی ضد کے آگے اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ وہ لوگ اب تیز آتی جاتی لہروں کے بیچ بال ایک دوسرے کو پاس کر رہے تھے، ضحیٰ ہمیشہ کی طرح بال مس کر رہی تھی مگر زونی، حذیفہ اور تایا جان بہت اچھی طرح کھیل رہے تھے۔ اسی دوران ضحیٰ کے دل کا وہ ہی درد دوبارہ اٹھا تھا۔ مگر اس نے نظر انداز کر دیا اور پانی سے باہر آ کر سامان کے پاس جا کر بیٹھ گئی وہ لوگ اسی طرح کھیل رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ بھی باہر آ گئے زونی اپنے سب سے پسندیدہ کام میں مشغول ہو گئی تھی ٭ مٹی سے گھر بنانا ضحیٰ کو بھی بہت پسند تھا وہ بھی زونی کے ساتھ جا کر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے منٹ لگے تھے مٹی سے گھر بنانے میں مگر ایک لہر آئی اور سیکنڈ میں اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئی۔

یہ گھر چاہے مٹی کے ہوں یا محبت کے اتنے نازک کیوں ہوتے ہیں۔ ضحیٰ کے ذہن میں ایک بار پھر سوال آیا تھا مگر اس کا جواب بھی اس کے پاس فی الوقت نہیں تھا۔

وہ اب دبئی کے سب سے بہترین ریسٹورنٹ میں بیٹھے ڈنر کر رہے تھے۔ حذیفہ کے کچھ دوست اتفاقاً اسی ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے آئے تھے وہ ایکسکیوز کر کے ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ ضحیٰ، تایا جان اور زونی جب ڈنر کر کے فارغ ہوئے تو حذیفہ کو اپنے ساتھ بلانا چاہا مگر اس سے اپنے دوستوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور وہ لوگ پھر گھر آ گئے۔۔۔ آج کا دن ضحیٰ کے لیے اچھا بھی تھا اور برا بھی۔

پورے سفر میں حذیفہ نے اس سے اتنی سی بھی بات نہیں کی تھی۔ اس کا یہی رویہ ضحیٰ کے دل کو چھلنی کر رہا تھا کاش کہ وہ شخص بھی اس کا حال دل جان لیتا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس وقت میلڈن کے امی ابو کی شادی کی سالگرہ کی سرپرائز پارٹی میں موجود تھا۔ وہ ایک عالی شان محل میں بیٹھا سگریٹ کے کش لے رہا تھا اس کے دوست بھی وہیں اسے کمپنی دے رہے تھے۔ میلڈن نے سیاہ رنگ کی چمکیلی میکسی پہن رکھی تھی خوبصورت سی جیولری اور پارٹی میک اپ میں بہت حسین و دلکش لگ رہی تھی۔ حذیفہ اس کے ان دوستوں میں تھا جنہیں وہ بہت زیادہ پسند کرتی تھی۔

"حذیفہ تم بہت ہی سمارٹ لگ رہے ہو۔" میلڈن نے اس کے پاس آتے ہی اسے خوشامد کیا تھا۔ وہ اس

بار تیسری سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"شکریہ سویٹی! تم بھی لیڈی ڈائنا سے کم نہیں لگ رہی۔" حذیفہ نے میلڈن کو چھیڑنے والے انداز میں کہا جس پر وہ جھینپ سی گئی۔

"بہت زیادہ شکریہ۔" میلڈن حذیفہ کے منہ سے یہی سننا چاہ رہی تھی اب جھوٹ یا سچ اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

"آؤ تمہیں اپنے امی ابو سے ملواتی ہوں۔" یہ اس نے روایتی بات کہی تھی مگر پسند ظاہر کرنے کا کوئی اور طریقہ بھی نہیں تھا فی الوقت حذیفہ کا موڈ نہیں تھا پر وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے پاس رکھے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھایا اور اس کے ساتھ چل دیا۔

میلڈن کے والدین نے حذیفہ کے لیے کچھ خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس کا اندازہ میلڈن کو اچھی طرح اور حذیفہ کو کچھ کچھ ہو گیا تھا میلڈن کے والدین حد سے زیادہ امیر اور اعلیٰ طبقے کے اعلیٰ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ میلڈن کے لیے حذیفہ کا نمبر ان کی فہرست میں دسویں نمبر پہ بھی نہیں تھا۔ حذیفہ کے دل میں بھی میلڈن کے لیے کچھ خاص جذبات نہیں تھے اگر وہ اس سے متاثر تھا تو وجہ اس کی دولت اور شہرت ہی تھی۔ اس پارٹی میں شہر کے تمام رئیس و امراء تشریف لائے تھے۔

یہ حذیفہ کی بدقسمتی ہی تھی کہ اس پارٹی میں مائیکل بھی آیا ہوا تھا اس کے آنے کی خبر اسے تب ہوئی تھی جب لڑکے اور لڑکیوں کا ایک ٹولہ جس میں لڑکے کم اور لڑکیاں زیادہ دکھائی دیتی تھیں اس کی بلیک مرسیڈیز کی طرف لپکے تھے جب مائیکل کی گاڑی عین ریڈ کارپٹ سے تھوڑا پہلے ڈرائیو وے پر آئی تھی۔ اس کی آمد میلڈن کے والدین کے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھا اس کے برعکس میلڈن ابھی بھی حذیفہ کے ساتھ کھڑی تھی۔

"ارے میلڈن تم یہاں کھڑی ہو؟ مائیکل آیا ہے آنٹی تو تمہیں کب سے ڈھونڈ رہی تھی۔" روس جو کہ اس سے ایک سال چھوٹی تھی اور اس کے دوستوں میں شمار ہوتی تھی اس نے آ کر خبر دی۔

"مجھے نہیں جانا وہاں۔" میلڈن نے وہاں جانے سے صاف انکار کیا تھا۔

"چلی جاؤ مائیکل سے مل آؤ میں یہیں کھڑا ہوں۔" حذیفہ نے اسے سمجھا بجھا کر وہاں روانہ کیا۔ وہ حذیفہ کی

بات کبھی ٹال ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی اس بات سے بخوبی واقف تھا آج تک حذیفہ اپنے آپ کو بہت اونچی چیز سمجھتا تھا۔ مگر کچھ دیر پہلے میلڈن کے والدین کی آنکھوں میں جو اس کے لئے کراہیت اور ابھی جو مائیکل کے لیے محبت دیکھی تھی اس نے اسے احساس کمتری میں مبتلا کیا تھا۔

مائیکل کے ساتھ حذیفہ کے کچھ خاص تعلقات نہیں تھے نہ ہی اسے کسی انڈر ورلڈ کی دنیا کے کسی انسان سے تعلقات بڑھانے شوق تھا۔ وہ اب وائن بار کے پاس بیٹھا سب مناظر دیکھ رہا تھا۔ آج اسے پہلی بار اپنا آپ یہاں فضول لگا تھا۔

"ہیلو حذیفہ!" یہ آواز سماعتوں میں گونجی تھی جب وہ ڈرنک کا سپ لے رہا تھا۔ یہ آواز اس کے لیے انجان نہیں تھی اس نے پلٹ کر دیکھا تو مائیکل تھا۔ وہ تو وہاں سب سے الگ بیٹھا تھا۔ تو وہ وہاں کیسے آگیا تھا۔

"ہائے۔" وہ ہاتھ ملانے کے لیے کھڑا ہوا۔

"آج تو کافی عرصے کے بعد لوگ نظر آئے ہیں۔" مائیکل نے ویٹر کو ڈرنک کا اشارہ کرتے ہوئے اسے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ حذیفہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسی لمحے میلڈن آگئی تھی۔

"حذیفہ لیٹس ڈانس۔" اس نے مائیکل کو نظر انداز کرتے ہوئے حذیفہ کو ڈانس کی دعوت دی۔

"یار میلڈن میرا دل نہیں ہے۔" اس نے معذرت خواہنہ انداز میں میلڈن سے کہا۔

"چلو نا یار مجھے تمہارے ساتھ ہی ڈانس کرنا ہے۔" میلڈن بھی ضد پر اڑی تھی۔ پاس بیٹھا مائیکل جو اب ڈرنک کا دوسرا گلاس پی رہا تھا دونوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ حذیفہ اب مان گیا تھا اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے ڈانس فلور کی طرف بڑھے۔ لائٹس کا رخ بھی ڈانس فلور کی طرف تھا۔ باقی ہر سو اندھیرا تھا وہ دونوں ابھی فلور تک پہنچے تھے کہ ایک جانی پہچانی آواز مائیک پر گونجنے لگی اور وہ آواز کسی کی نہیں بلکہ مائیکل کی تھی۔

"دوستوں! آج کی محفل خاص محفل ہے۔ اس شام کو اور بھی رنگین بنانے کے لیے ہمارے کچھ دوستوں نے مل کر اہتمام کیا ہے اور وہ یہ کہ میں اور حذیفہ میلڈن کے ساتھ ڈانس کا مقابلہ کریں گے اور جو جیتے گا وہ ہارنے والے سے جو چاہے کروا سکتا ہے۔ اپنی تالیوں کی گونج میں حذیفہ اور میلڈن کو خوش آمدید کہیے۔" یہ سننے کے بعد

حذیفہ کے تو پیروں تلے زمین ہی نکل گئی تھی۔

اسے باقاعدہ ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے وہ آج خاص طور پر مائیکل سے دور رہنا چاہتا تھا۔ مگر وہ تھا جو دخل اندازی کیے جا رہا تھا۔ دوسری طرف میلڈن مائیکل کے ساتھ ڈانس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تالیوں کی گونج اب رک گئی تھی۔ فاسٹ ٹریک چلا دیا گیا تھا۔ حذیفہ جانتا تھا کہ وہ یہ ڈانس جیت کر بھی کار جائے گا کیونکہ زیادہ عوام تو مائیکل کے حق میں فیصلہ سنانے والی تھی۔ اس نے بہت بے دلی سے ڈانس کیا تھا۔ اس کے فوراً بعد مائیکل نے راج سنبھال لیا تھا۔ وہ بے حد فاسٹ ڈانسر تھا شراب کے دھند نشے میں اس کی رفتار اور بڑھ گئی تھی۔

"تو یہ جیت مائیکل کے نام۔" ڈانس ختم ہونے کے فوراً بعد وہاں لوگوں کا شور نعرے بازی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ مائیکل کی جیت یقینی تھی حذیفہ خوب واقف تھا وہ اب اس لمحے کو کوس رہا تھا جب اس نے میلڈن کے ساتھ ڈانس کرنے کی حامی بھری تھی وہاں بیٹھے بیٹھے اس نے کتنے گلاس پی لیے تھے۔ اس نے مائیکل کو اپنے پاس آتے دیکھا۔

"تم ہار گئے حذیفہ!" اس کی مسکراہٹ حذیفہ کو چڑا رہی تھی۔ وہ خاموش رہا۔

"میں نے تم سے کوئی مقابلہ کیا بھی نہیں تھا مسٹر مائیکل۔" حذیفہ نے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مقابلہ نہیں تھا مگر میں نے بنا دیا اب۔"

"اب تمہیں وہ کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔ کل شام 5 بجے پی کوک ایلے کیفیٹیریا پہنچ جانا۔" وہ اس سے گلے ملتے ہوئے اس کے کان میں بول رہا تھا پھر وہ چلا گیا اور حذیفہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔۔۔

وہ تین بجے کے قریب گھر پہنچا تھا ایک ہاتھ میں کوٹ لیے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے گاڑی سے اترا ملازم نے اس حال میں دیکھا تو سہارا دینے کی کوشش کی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پرے رہنے کے لیے کہا۔ بے بس تھا مگر معذور نہیں تھا، نشے میں تھا مگر حواس بحال تھے۔۔۔ گھر میں دھیمی دھیمی روشنی تھی وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے کمرے تک پہنچا۔ جب وہ بیدار ہوا تو دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ اس کا سر ابھی بھی چکرا رہا تھا اس نے اپنی انگلیوں سے کنپٹی کو دبایا وہ سوچنے لگا کہ کل وہ کہاں تھا؟ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ مگر کچھ یاد نہیں آیا وہ اٹھ کر واش روم گیا۔ جب فریش ہو کر نکلا تو موبائل میں بارہ مس کالز اور پندرہ میسجز تھے۔ کالز تقریباً

میلڈن کی تھیں مگر ایس ایم ایس کسی ان نون نمبر سے کیے گئے تھے جس پر صرف "5 پی ایم" لکھا ہوا تھا وہ بری طرح چونکا تھا۔ اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور پچھلی رات کی کہانی فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگی۔

"اوہ مائے گاڈ" وہ سر پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

مائیکل نے مجھے پانچ بجے پی کوک کیفیٹیریا بلایا ہے۔ اس نے فوراً دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا جو چار بجا رہی تھی اس کے پاس ایک گھنٹہ تھا۔

"پتہ نہیں بیٹھے بٹھائے یہ مائیکل نامی بلا کہاں سے میرے سر آ گئی۔" اس کو اس لمحہ شدید غصہ آیا تھا۔ بحر حال مائیکل سے نہ ملنا تو موت کو دعوت دینا تھا اسے ملنے تو جانا تھا۔ وہ نیچے لاؤنج میں آیا تو معمول سے ہٹ کر رش تھا۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے اس نے بغیر کوئی دھیان دیے گاڑی کی چابی لی اور ڈرائیو وے پر آ گیا۔ جہاں ڈرائیور اس کا پہلے سے منتظر تھا۔

"میں خود ڈرائیو کروں گا۔" اس نے ڈرائیور کو اپنا حکم سنایا تھا اور اگلے ہی لمحے ڈرائیور بغیر کوئی سوال کیے ڈرائیو سیٹ سے ہٹ گیا۔

وہ پچھلے دو گھنٹوں سے کیفیٹیریا میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا مگر اس کی تشریف آوری اب تک نہیں ہوئی تھی ایک گھنٹے کے مزید انتظار کے بعد مائیکل نامی بلا اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" مائیکل نے بیٹھتے ہی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ خاموش رہا۔

"تو مسٹر حذیفہ! کل کی ہار کے بعد کیسا لگا؟" مائیکل نے جیسے اس کے زخم پر نمک چھڑکا تھا۔

"سیدھی بات پر آؤ میرا اور تمہارا کون سا کھیل تھا؟ جو تم ہار اور جیت کی بات کر رہے ہو۔ تم اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" حذیفہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"بس ایک چیز۔" مائیکل پہلے تو مسکرایا پھر اس نے بات کو ذرا الجھایا۔

"کون سی چیز؟" وہ واقع الجھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

جب وہ گھر پہنچا تو بہت اندھیرا تھا اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا تو گیارہ بج کر اٹھاون منٹ ہوئے تھے اس کا موڈ بہت خراب تھا اسی وجہ سے اس نے دوستوں کے ساتھ پلان کینسل کر دیے تھے۔ پھر یہ اندھیرا اور خاموشی اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تمام لائٹس کھول دی گئیں جہاں وہ کھڑا تھا وہیں سے اس کے اوپر رنگین ستاروں کی بارش ہوئی ایک طرف سے گھر کے تمام لوگ اسے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پورا گھر غباروں اور رنگین بتیوں سے سجا ہوا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

تمام لوگ تالیاں بجاتے ہوئے اس کو جنم دن کی مبارکباد دے رہے تھے۔ ضحیٰ کے ہاتھ میں چاکلیٹ براؤن کیک تھا جس پر رنگین موم بتیاں جل رہی تھیں۔

"جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔" اکبر اشتیاق نے اسے گلے لگا کر مبارکباد دی۔

اس کا موڈ خراب تھا اب بہت ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس کو یہ توقع نہیں تھی کہ اس کو اتنا بڑا سرپرائز مل سکتا ہے۔

"کیک کیسا ہے؟" حذیفہ کیک کھا رہا تھا جب اکبر اشتیاق نے آ کر اس سے پوچھا۔

"بہت اچھا ہے کس بیکری کا ہے؟" اس کو کیک واقع اچھا لگا تھا۔

"یہ کیک ضحیٰ نے خود بنایا ہے۔" وہ کیک کھاتے کھاتے رکا۔

"ضحیٰ نے؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا تھا۔ مگر آواز اس کے ابا جان تک پہنچ گئی تھی۔

"جی ہاں! ضحیٰ نے۔" اس کی نظریں اب ضحیٰ کو ڈھونڈنے لگی تھیں۔ اس کی نظروں نے ضحیٰ کو ڈھونڈ لیا تھا۔ وہ اس وقت زونی کو اپنے ہاتھوں سے کیک کھلا رہی تھی۔ ضحیٰ کو لگا کوئی اس کو بڑی دیر سے دیکھ رہا ہے اس نے جب گردن موڑ کر دیکھا تو وہ کوئی نہیں بلکہ حذیفہ تھا ضحیٰ کے دیکھنے پر حذیفہ نے فوراً اپنی نظریں ہٹا لیں۔

وہ اس وقت لان میں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں کافی کا کپ تھا جس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"ہائے۔" گہری خاموشی میں اس آواز نے ضحیٰ کو چونکا دیا تھا۔ مگر اس سے زیادہ حیرت اسے اس شخص کو دیکھ کر ہوئی تھی۔

"ہیلو۔" ضحیٰ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا آج پہلی بار وہ شخص ہائے بولنے کے بعد اس کا جاب سننے کے لئے رکا تھا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" حذیفہ نے اس سے اجازت مانگی۔

"کیوں نہیں۔" ضحیٰ نے بغیر کسی تاثر کے جواب دیا۔ دونوں کے بیچ گہری خاموشی تھی پھر حذیفہ نے بات کرنے کا فیصلہ لیا۔

"میں جانتا ہوں میرا رویہ اب تک تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں رہا اور آج مجھے احساس ہوا کہ میں تمہیں اب تک سمجھ ہی نہیں سکا اور اب جب تمہاری بھلائی اور اچھائی سمجھ میں آنے لگی ہے تو تم جا رہی ہو۔" اس کے چہرے پر چھائی اداسی کو ضحیٰ دیکھ سکتی تھی ساتھ ہی ساتھ حذیفہ کا یہ رویہ ضحیٰ کے لیے نیا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اب تک جس سر پر غرور کا تاج سجا تھا آج وہ سر عاجزی میں جھک کیسے گیا تھا؟ آخر آج ایسا کیا ہوا تھا؟ وہ جواب میں خاموش رہی تھی۔ دوسری جانب بھی خاموشی تھی۔

"میں تمہارے لیے کافی لاتی ہوں۔" ضحیٰ نے طویل خاموشی کو توڑا تھا۔ جواب میں اس نے صرف گردن ہلائی تھی۔

"تمہارے پاس صرف ایک ہفتے کا وقت ہے۔" حذیفہ کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"اگر میری بات پوری نہیں ہوئی تو تم جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا کچھ کر سکتا ہوں۔"

"صرف ایک ہفتہ۔" مائیکل کی باتوں نے حذیفہ کے ذہن کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

"حذیفہ اب تیری زندگی صرف ایک ہی ہے ※ اپنی خیر تو منا لے۔" اس کے دل سے اب یہی صدائیں آ رہی تھیں۔

"کافی۔" ضحیٰ اب کافی لے کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"تھینکس۔" حذیفہ نے مسکرا کر اس سے کافی کا کپ لیا۔

"تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا۔" حذیفہ نے بغیر اس کو دیکھے سوال کیا۔

"معاف؟ کس چیز کے لیے؟" ضحیٰ نے اس سے سوال۔

"جواب تک بدسلوکی میں نے تمہارے ساتھ کی، اس کے لئے۔" وہ ابھی بھی اسے دیکھ نہیں پایا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔" ضحیٰ نے جواب دیا۔ضحیٰ کچھ مزید نہیں بول پائی اسے۔

"پلیز تم ابھی پاکستان واپس مت جاؤ۔ میں تمہیں اپنا وقت دینا چاہتا ہوں۔تمہیں دبئی گھمانا چاہتا ہوں۔اور یہ وعدہ ہے کہ ان تمہیں اکیلا چھوڑ کر واپس بھی نہیں آؤں گا۔" وہ اس سے التجا کر رہا تھا۔شرمندہ بھی تھا اسے منانا بھی چاہتا تھا اس کے لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔" دل میں پھر سے وہ محبت جو غائب ہوگئی تھی اس نے آ کر اپنا گھر بنانا شروع کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"میں کچھ دن یہاں اور رہنا چاہتی ہوں بھائی۔" ضحیٰ کا کہا گیا یہ جملہ عالیان کے لیے کسی صدمے سے کم نہ تھا۔

"کیا؟ کچھ دن اور؟ ضحیٰ تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تمہیں پتہ بھی ہے ماما بابا کتنے چپ چپ رہتے ہیں اور امی کس قدر اداس رہتی ہیں۔" عالیان نے فکرمندانہ انداز میں کہا وہ واقعی اپنے گھر کے سناٹے سے پریشان ہوگیا تھا۔

"بھائی بس کچھ دن اور اسکے بعد تو میں آ ہی جاؤں گی۔" ضحیٰ نے التجایہ انداز میں کہا۔

"لیکن بس کچھ دن! اسکے بعد میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

وہ وہیں لیپ ٹاپ کی چمکتی اسکرین پر لاشعوری طور پر نظریں جمائے دیکھ رہی تھی۔

اب جب سب سہی ہونے جا رہا تھا۔تمام تر فاصلے مٹنے جا رہے ہیں تو پھر یہ سب کیوں؟ وہ یہ سوچتے سوچتے کب سوگئی اسے خبر نہیں ہوئی۔

جب وہ صبح تیار ہو کر ڈائننگ ہال کی جانب بڑھی تو اس نے محسوس کیا کوئی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔اس نے کسی احساس کے تحت پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ کوئی اور نہیں حذیفہ تھا۔اس نے بلیو جینز پر سیاہ رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی سنہری بال اسی انداز میں ماتھے پر گرے ہوئے تھے جس طرح وہ ہمیشہ ہی سیٹ کرتا تھا۔وہ اپنے موبائل میں ہمیشہ کی طرح کچھ ٹائپ کرتے ہوئے بے توجہی سے آگے قدم بڑھا رہا تھا۔

ضحیٰ نے اپنا گلا کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔حذیفہ نے بے اختیار اسے دیکھا مگر ضحیٰ فوراً ہی آگے بڑھ گئی۔

"ضحیٰ۔" اس نے ضحیٰ کو آواز دی اور وہ رک گئی تھی۔

"ناشتے کے بعد ہم جا رہے ہیں۔" اس نے اس کی رائے نہیں پوچھی تھی نہ ہی اجازت مانگی تھی بس حکم دے کر آگے بڑھ گیا ضحیٰ نے اپنے شانے اچکا دیئے۔

وہ اس وقت فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ونڈ اسکرین کے باہر کے مناظر محویت سے تک رہی تھی۔ گاڑی اس وقت شیخ زائد روڈ پر رواں دواں تھی وہ ایک لمبی اور ضافہ سنسان سڑک تھی۔ حذیفہ ریش ڈرائیونگ کرتا مگر دل اسپیڈ میں ڈرائیو کرتا تھا کیونکہ دبئی میں گاڑی اسی فل اسپیڈ میں چلائی جاتی تھی اور اپنی مخصوص جگہوں کے علاوہ گاڑی کہیں روکی نہیں جا سکتی تھی۔ دبئی جس قدر خوبصورت تھا اس سے کہیں زیادہ قانون کا پابند بھی تھا۔ قانون کی پابندی نے دبئی کو ایک مخصوص مقام بخشا تھا۔

"ہم پہلے مال جائیں گے اور پھر۔۔۔۔" حذیفہ نے گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ وہ جو اطراف میں موجود بلند و بالا عمارات دیکھنے میں محو تھی چونک کر حذیفہ کو دیکھا۔

"اور پھر۔۔۔؟" ضحیٰ نے اس کا سوال دہرایا اور اس کو بغور دیکھا جو بہت ہی پر اعتماد سا بیٹھا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"اور پھر تم خود دیکھ لینا۔" حذیفہ نے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں مال میں تھے وہاں دونوں نے شاپنگ کی اور ساتھ ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ بھی جاری رہا پھر پورا دن گزارنے کے بعد وہ دونوں وہاں سے روانہ ہوئے۔

"تو مس ضحیٰ عابد! آپ کو میرے ساتھ وقت گزار کر کیسا لگا۔"

ضحیٰ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا وہ وہی شرارتی موڈ میں تھا جبکہ ضحیٰ کے چہرے پر سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی اور کہیں کہیں تھکن کے آثار بھی تھے۔

"اچھا لگا۔" اس نے ونڈ اسکرین سے باہر نظریں جمائے کہا۔ شام کو دبئی میں گھومنے کا مزا ہی کچھ اور تھا اور وہ شہر دن میں تو حسین تھا ہی مگر شام میں رنگ برنگی روشنیوں میں ڈوبا ہوا شہر وہاں بلند بالا عمارات تک پھیلی ہوئی سنہری روشنی اعصاب پر سحری کیفیت طاری کرتے تھے۔ ضحیٰ بھی سحر زدہ سی بیٹھی ہوئی آتے جاتے مناظر تک رہی

تھی۔

"ہم ابھی ایک بہت خوبصورت جگہ پر جا رہے ہیں۔" حذیفہ نے ضحیٰ سے کہا۔

"مگر ابھی تو کافی دیر ہو گئی ہے، پھر تایا جان بھی پریشان ہو رہے ہوں گے۔" ضحیٰ نے گھبرائے ہوئے انداز میں اس سے کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا میں ڈیڈ کو بتا چکا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو۔" اس نے اسے اطمینان دلایا۔

کچھ ہی دیر میں وہ لوگ برج خلیفہ میں تھے اس نے پارکنگ لیں میں گاڑی پارک کی ضحیٰ نے آج سے پہلے اتنی خوبصورت اور اونچی دراز بلڈنگ نہیں دیکھی تھی۔ یہ سچ تھا کہ اس نے اس برج خلیفہ کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا مگر حقیقت میں وہ کچھ الگ ہی چیز تھی۔

"یہاں میں تمہیں اس وقت اس لئے لایا ہوں کیونکہ ایک سو چوبیسویں فلور سے رات کو دبئی دیکھنے کا مزا ہی الگ ہے۔" حذیفہ نے ضحیٰ کا سحر توڑا تھا۔

"میں اتنا اوپر نہیں جا سکتی۔" ضحیٰ نے اس کو برج میں داخل ہوتے ہی کہہ دیا تھا۔

"کیوں؟" اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے ہائٹ فوبیا (اونچائی سے ڈر) ہے۔" ضحیٰ نے نظریں جھکاتے ہوئے اس سے کہا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے میں تمہارے ساتھ ہوں یار کم آن۔" حذیفہ نے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسے سمجھایا حذیفہ کا یوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنا ضحیٰ کو کچھ اچھا نہیں لگا مگر اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض دفعہ ہم اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہوتا ہے وہ سہارے روشنی ڈھلنے کے ساتھ ماند نہیں پڑیں گے ضحیٰ نے بھی حذیفہ کے سہارے خود کو چھوڑ دیا تھا۔

اس کو یہ احساس تو ہو چکا تھا کہ وہ اب محفوظ ہاتھوں میں ہے مگر احساس تو پھر احساس ہے اور بہت جلد یہ احساس اسے خوابوں سے حقیقت میں لانے والا تھا۔

برج خلیفہ کی آخری منزل سے دبئی کو رات کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں میں دیکھنے کا مزا واقع دلفریب و دلکش تھا۔ اس نے ان لمحات کو تصویر میں قید کر لیا تھا اور رات کو وہ ان ہی تصاویر کو دیکھ رہی تھی۔

حذیفہ اتنا بھی برا نہیں ہے جتنا میں اسے سمجھ رہی تھی۔ وہ تصویر دیکھتے دیکھتے اس کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ زندگی میں بعض اوقات انسان کو پہچاننا کس قدر مشکل ہوتا ہے انسان بھی وہ جو دن رات ساتھ رہتے ہیں مگر پھر بھی ان کے چہرے پہ پڑے سو ہزار پردے ہم اٹھا نہیں پاتے ضحیٰ نے حذیفہ کے چہرے سے وہ پردے نہیں اٹھائے تھے۔۔۔۔لیکن باقی پردے قدرت اٹھانے والی تھی۔

اگلی صبح وہ حذیفہ کے ساتھ تیار ہو کر نکل گئی تھی۔ آج اس نے سیاہ چوڑی دار پاجامے پر نیلے رنگ کی پاؤں تک آتی قمیض پہن رکھی تھی۔ قمیض کے دامن میں موتیوں کا ہلکا پھلکا کام ہوا تھا۔ اس نے نیلے رنگ کا اسکارف لیا تھا۔ جب وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تو حذیفہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ دی۔ کچھ تھا اس کی نظروں میں جسے ضحیٰ نے دیکھا تھا اس کی عجیب نظروں نے ضحیٰ کو پریشان کیا تھا۔

"آج صبح سے تایا جان نہیں دکھے کیا وہ جلدی چلے گئے تھے؟" ضحیٰ نے حذیفہ سے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں شاید ضروری میٹنگ ہو تو چلے گئے ہوں گے ویسے بھی ڈیڈ کے بزنس ٹور کہاں ختم ہوتے ہیں۔" اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

ضحیٰ کو بعد میں اپنی کم عقلی پہ افسوس ہوا وہ بھی کس سے پوچھ رہی تھی جس نے کبھی گھر کے معاملات میں دخل نہیں دیا تھا وہ ابھی سوچ رہی تھی تب ساتھ بیٹھے حذیفہ کے فون کی گھنٹی بجی۔

"دیکھو تم نے ڈیڈ کو یاد کیا ان ہی کی کال آ گئی۔" حذیفہ نے موبائل آن کرتے کہا۔

"ہیلو حذیفہ! میں آج نیویارک کے لیے نکل چکا ہوں تھوڑی دیر میں فلائیٹ ہے میں ضحیٰ سے مل بھی نہیں سکا تم اس کو بتا دینا کہ میں جا رہا ہوں اور دو ہفتے تو لگیں گے اگر ان دنوں ضحیٰ کو پاکستان جانا ہو تو ٹکٹ میں نے ضحیٰ کے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دی ہے تم اسے بتا دینا او کے میں اب فون رکھتا ہوں۔" دوسری جانب سے بھی فون رکھ دیا گیا۔ ضحیٰ کچھ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ڈیڈ آج صبح نیویارک کے لیے نکل گئے ہیں انہیں وہاں دو ہفتے لگیں گے انہوں نے تمہارے لیے ٹکٹ خرید لی ہے تمہیں جب بھی جانا ہو جا سکتی ہو۔" اس نے روکھے سے انداز میں اکبر اشتیاق کی کہی ہوئی بات اسے سنا دی۔

وہ شاک کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ تایا نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ مجھے کال کیوں نہیں کی؟ اور یوں اچانک جانے کا کہہ دیا۔۔۔ کیوں؟ یہ سارے سوال اس کے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔

وہ خالی الذہنی کے عالم میں اس کے ساتھ پورا دن گھومی پھر شام کو وہ دونوں کیفیٹیریا گئے وہاں ضحیٰ نے اپنے لیے کافی آرڈر کی اور حذیفہ نے سوفٹ ڈرنک ان دونوں کا انتخاب کتنا مختلف تھا مگر پھر بھی دونوں ساتھ تھے۔ فارغ ہو کر وہ دونوں گھر کی جانب روانہ ہوئے بدقسمتی سے واپسی پر حذیفہ کی گاڑی خراب ہو گئی۔ اس نے غصے کے عالم میں زور سے اسٹیرنگ پر اپنا ہاتھ مارا ضحیٰ اک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آئم سوری ضحیٰ! یار گاڑی خراب ہو گئی ہے ایسا کرو تم گاڑی میں انتظار کرو میں ابھی میکینک کو بلا لاتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ فوراً گاڑی سے اترا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا دوسری جانب نکل گیا۔ ضحیٰ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی گاڑی جس جگہ کھڑی تھی وہ تقریباً ویران اور سنسان سڑک تھی ضحیٰ کے اضطراب میں کچھ مزید اضافہ ہوا کافی وقت گزر گیا مگر حذیفہ کا کچھ پتہ نہیں چلا اس کو گاڑی میں گھٹن ہونے لگی تو اس نے مرر نیچے کیا ایک ہوا کا ٹھنڈا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ کچھ دیر بعد سڑک کی دوسری طرف سے اسے گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی اس کی کچھ امید بندھی شاید اس گاڑی میں حذیفہ ہو مگر وہ گاڑی اس کے پاس سے گزر گئی چہرے پر جو امید کے آثار نظر آئے تھے وہ اب گہری مایوسی میں بدل گئے۔

کیا حذیفہ مجھے پھر سے تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک اس کو اپنی کنپٹی پہ کوئی چیز محسوس ہوئی اس نے جیسے ہی گردن موڑ کر دائیں جانب دیکھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے وہ ایک سیاہ فام حبشی تھا جس نے نے آنکھوں پر گہرا سیاہ چشمہ پہن رکھا تھا اور کالی ٹی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ اسے اسی وقت اپنی اس حرکت پہ بے حد غصہ آیا تھا آخر اس نے مرر نیچے ہی کیوں کیا تھا اگر وہ تھوڑی دیر گرمی برداشت کر لیتی اب کیا کرے کس سے مدد کے لیے پکارے۔

"نیچے اترو۔" اس نے انگریزی میں ضحیٰ سے کہا اس کی بات پر ضحیٰ کو مزید ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"یا اللہ!"

اب میں کیا کروں اس کے ہاتھ پاؤں مسلسل کانپ رہے تھے اس بار حبشی نے چیخ کر کہا تو وہ فوراً دروازہ

کھول کر گاڑی سے اتر آئی باہر ایک اور آدمی بھی اس کا منتظر تھا وہ دونوں اب اسے پکڑ کر اسی گاڑی کی جانب لے جا رہے تھے جو اس نے تھوڑی دیر پہلے گلی میں دیکھی تھی۔

"پلیز مجھے چھوڑ دو، جانے دو۔ حذیفہ مجھے بچاؤ۔۔۔ حذیفہ حذیفہ۔۔۔" وہ مسلسل گاڑی میں بیٹھنے تک چیخ و پکار کر رہی تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ اس کی پکار سن لے، شاید کوئی اس کی مدد کو آجائے مگر وہاں تو اسے کسی پرندے کا پر بھی نہیں دکھا تھا۔ رات کافی ہو چکی تھی گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کی آنکھوں پہ سیاہ پٹی باندھ دی گئی۔

کیا میں اغوا ہو گئی ہوں؟ اس کا ذہن یہ ماننے کو تیار نہ تھا اور آنکھیں تھیں کے مسلسل برس رہی تھیں۔ حذیفہ تم کہاں چلے گئے ہو؟ وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔ لمبی مسافت کے بعد گاڑی کہیں جا رکی۔ اسے گاڑی سے نیچے اتارا گیا اور اب دو آدمی اس کے دونوں بازوؤں کو سختی سے پکڑ کر اسے کہیں لے جا رہے تھے۔ کہاں اس کا اندازہ اس کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا۔

"ویلکم ضحیٰ! ویلکم ٹو مائیکل کاسل"

Welcome Zuha, welcome to Michael's Castle

وہ مردانہ آواز سے زیادہ اس کے منہ سے اپنا نام سننے پر حد درجہ حیران ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سیاہ پٹی کھول دی گئی تھی مگر پھر بھی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک وسیع و عریض روم تھا جہاں پر ایک میز رکھا تھا جس کے بیچ میں سفید پھولوں سے بھرا گلدان رکھا تھا۔ اس کے پاس ہی لیپ ٹاپ رکھا گیا تھا۔ کمرے کے چاروں کونوں میں سیاہ فام باڈی گارڈ کھڑے تھے۔

میز سے تھوڑا آگے ایک کرسی پر ضحیٰ کو بٹھایا گیا یوں کہ وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین کو با آسانی دیکھ سکے تو کیا اسے یہاں کوئی فلم دکھانے کے لیے بلایا گیا تھا یا کچھ اور۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆

"آج کی بازی تو میں ہی جیتوں گا۔" اس نے تاش کے پتے کو پھینکتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ دائرے میں بیٹھے پانچ لڑکے جو کہ ہر پتہ سوچ دو چار کے بعد پھینک رہے تھے اس کے آخری پتے نے ان پانچوں کو شش و پنج کا شکار کر دیا تھا۔ آج وہ جیتنے آیا تھا سو اسے جیتنا ہی تھا۔ پانچوں لڑکوں

کے چہروں پر پھیلی ہوئی مایوسی مزید گہری ہوگئی اور اس کی مسکراہٹ اب قہقہہ میں بدل گئی تھی۔ اس نے ستر دھرم اپنی طرف کر لیے آج جو کھیلتے ہوئے جیت کا احساس اسے کچھ نئے سرے سے ہوا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کبھی جیتا نہیں تھا مگر آج اس جیت کی الگ سی خوشی تھی۔

"تم لوگ میرے دوست ہو اور مجھے اس طرح تم لوگوں کو ہرا کر اچھا تو نہیں لگ رہا مگر آج کا کھیل مجھے ہی جیتنا تھا۔ چلو اسی خوشی میں کلب چلتے ہیں اور ڈنر تم لوگوں کو" حذیفہ اکبر" دے گا کیونکہ آج میں بہت خوش ہوں۔"

☆.....☆.....☆

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

"تو مسٹر حذیفہ کل کی ہار کے بعد کیسا لگا؟" مائیکل نے جیسے اس کے زخم پر نمک چھڑکا تھا۔

"سیدھی بات پر آؤ میرا تمہارا کون سا کھیل تھا جو تم ہار اور جیت کی بات کر رہے ہو۔" حذیفہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔" حذیفہ نے غصے کے عالم میں اس سے پوچھا۔

"بس ایک چیز۔" مائیکل پہلے تو مسکرایا پھر اس نے بات کو الجھایا۔

"کون سی چیز؟" حذیفہ الجھ گیا۔

"میں ضحیٰ کی بات کر رہا ہوں۔" مائیکل اب سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"ضحیٰ۔؟" وہ اس نام پر بے حد چونکا تھا۔

"ک کون ضحیٰ؟" اس کو لگا شاید اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

"کم آن حذیفہ تم جانتے ہو میں کس کی بات کر رہا ہوں۔" مائیکل نے سگریٹ کا کش لگایا۔

"ضحیٰ میری کزن؟" اس نے ایک بار پھر تسلی کر لینی چاہیے۔ مائیکل نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں ضحیٰ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ابھی تو حذیفہ صرف ضحیٰ کا نام مائیکل کی زبان پر سن کر پریشان ہوا تھا اس کی اگلی بات نے اس کے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑا دیئے تھے۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے مائیکل۔ وہ میری کزن ہے اور پھر یہاں وہ کچھ دن کے لئے میری مہمان بن کر

آئی ہے۔" حذیفہ کے حواس کچھ بحال ہوئے تو اس نے فوراً مائیکل کو جواب دیا۔

"میں سب جانتا ہوں پھر بھی یہاں تم سے اس کی بات کرنے آیا ہوں۔ میں نے ضحیٰ کو سب سے پہلے دبئی مال میں دیکھا تھا تب وہ تمہاری گاڑی سے اتری تھی پھر تم وہاں سے چلے گئے تھے اور وہ معصوم سی لڑکی اکیلے ہی مال میں گھومنے لگی مجھے وہ تب ہی بہت اچھی لگی تھی۔" وہ کھوئے کھوئے سے عالم میں حذیفہ کو اس کی پہلی ملاقات کے بارے میں بتانے لگا۔

"تو اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" حذیفہ نے اب اس معاملے میں بیزاری ظاہر کی۔

"میں چاہتا ہوں کہ کسی بھی طرح تم ضحیٰ کو مجھ سے شادی کے لیے راضی کرو اور تم جانتے ہو کہ اگر تم نے مائیکل کو انکار کیا تو وہ کیا کیا کر سکتا ہے تمہارے ساتھ۔" مائیکل نے وائن گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" حذیفہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

"چلاؤ مت حذیفہ! میں دھمکی نہیں دے رہا سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے گلاس منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مجھے تھوڑا سوچنے دو۔" حذیفہ میز پر کہنی جمائے گہری سوچ میں گم ہو چکا تھا۔

"دیکھو میں ضحیٰ سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا، میں اس کے ساتھ زیادہ گھومتا پھرتا بھی نہیں ہوں میری اپنی بہت مصروفیات ہیں۔ پھر بھی میں تمہارے لیے اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"مائیکل کو کوشش کے بہلاوے مت دو حذیفہ تمہارے پاس صرف ایک ہفتے کا وقت ہے اگر ایک ہفتہ گزر گیا تو سمجھ جانا کہ تم بھی گزر جاؤ گے۔" مائیکل نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا۔ ویڈیو ختم ہو گئی تھی لیپ ٹاپ کی اسکرین بھی ہٹا دی گئی تھی۔ میز کی ایک طرف ضحیٰ بیٹھی تھی تو مائیکل دوسری جانب بیٹھا مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا ضحیٰ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اسے اس ویڈیو پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حذیفہ ایسے کیسے۔۔۔۔۔ نہیں حذیفہ نے تو خود اس سے معافی مانگی تھی تو پھر اس ویڈیو میں وہ اور مائیکل کیا بات کر رہے تھے وہ حذیفہ نہیں تھا وہ ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ جھوٹ ہے یہ یہ ویڈیو یہ سب جھوٹ ہے مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں ہے۔" ضحیٰ کا چہرہ اب آنسوؤں میں بھیگ رہا تھا۔

"تم نے مجھے اغوا کیا ہے اور اب سارا قصور میرے کزن حذیفہ پر ڈال رہے ہو۔" اس کا رونا اب ہچکیوں میں بدل رہا تھا۔

مائیکل نے اس کی بات پر زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر ساتھ کھڑے بندے کو اشارہ کیا اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور اسکرین پر ایک فولڈر کھول دیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ اسکرین پر تمام میسجز کالز لاگ کھل گئیں۔ وہ میسج جو تقریباً حذیفہ نے کئے تھے اب اس کے سامنے اسکرین پر چمک رہے تھے۔

"میں اس وقت مال میں تمہاری دل ربا کو شاپنگ کروانے لایا ہوں چاہو تو یہاں آجاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد دوسرا میسج اسکرین پر نمودار ہوا۔

"ہم اس وقت کیفیٹیریا میں ہیں۔"

"میں نے گاڑی خراب ہونے کا ڈرامہ کیا ہے تم فوراً آجاؤ وہ اس وقت گاڑی میں ہی بیٹھی ہے میں نے کار ان لاک رکھی ہے۔"

پھر کچھ دیر بعد کی جانے والی کال اور ان کا دورانیہ آنے لگا۔ وہ یہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا وہ کچھ سوچ سمجھ نہیں رہی تھی۔ وہ کیا دیکھ رہی تھی کیا یہ سب حذیفہ نے کیا تھا جو کہا وہ سب جھوٹ تھا؟ دھوکا تھا۔ مکڑی کے جال میں تتلی کو پھانسا تھا۔

حذیفہ آخر تم نے ایسا میرے ساتھ کیوں کیا؟ کہیں دور دل سے آواز آئی تھی۔ جو دل میں ہی رہ گئی تھی وہ یوں ہی قطرہ قطرہ آنسو بہا رہی تھی وہ کر بھی کیا سکتی تھی بربادی اور ذلت کا داغ تو اب ماتھے پر لگنے ہی والا تھا۔ اسی لمحے اسے تایا جان کی بے حد یاد آئی تھی۔

"تو مس ضحیٰ آپ کو تسلی ہوگئی؟ یہ سب آپ کے کزن حذیفہ کا**** ہوا کھیل تھا۔ شطرنج کی بساط تھی جس کا اہم گھوڑا آپ تھیں حذیفہ نے کیسے ہوشیار اور چالاکی سے آپ کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جان بچالی۔" وہ اب سگریٹ منہ میں دبائے لائیٹر کی مدد سے اسے سلگا رہا تھا۔

"یقین مانیے جان عزیز! ہم سے اس طرح آپ کا دکھ نہیں دیکھا جاتا۔ ہم آپ کے اس دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔" اس نے سگریٹ کا کش لگایا۔ ضحیٰ اب اسے دھندلائی نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ اس قدر دل گرفتہ تھی

کہ اس کی کسی بات کا جواب دینا تو دور کی بات تھی وہ صحیح سے سن بھی نہیں رہی تھی۔

حذیفہ میں اب تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ وہ ایک دم سے زور زور سے رونا شروع ہوگئی۔ مائیکل ایک دم ہی کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اس کا اس طرح شدت سے رونا مائیکل کو بھی تکلیف پہنچا رہا تھا۔

وہ اچانک روتے روتے چپ ہوگئی۔ ڈاکٹر نے بروقت اسے نیند کا انجیکشن لگایا تھا اب وہ بیڈ پر چت پڑی سو رہی تھی۔ قریب پانچ گھنٹے گزرے تھے کہ پاس کھڑے گارڈ نے اس کی سرگوشی سنی تھی۔ اس نے فوراً ہی مائیکل کو اطلاع دی تھی اور اگلے ہی لمحے مائیکل اپنے دو مخصوص باڈی گارڈز کے ساتھ روم میں تھا اب وہ آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہی تھی۔

"میں کہاں ہوں؟ امی ☒ امی مجھے امی کے پاس لے چلو میری امی، بابا، بھائی۔۔۔" نجانے کن کن کو وہ پکار رہی تھی۔

"ضحیٰ! ضحیٰ ہوش میں آؤ۔" پاس بیٹھے مائیکل نے اسے زور سے غصے میں جھنجھوڑا تھا۔ پھر کسی نے اسے روکا تھا ضحیٰ نے کسی کا دھندلا سا چہرہ دیکھا تھا وہ کون تھا اسے نہیں جانتی تھی پر اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"باس! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ لڑکی ہے اگر کچھ ہوگیا تو آپ بری طرح پھنس سکتے ہیں۔"

مائیکل نے اپنے حواس پر کچھ قابو پانے کے بعد کچھ ہدایات دیں اور فوراً کمرے سے نکل گیا۔

اگلی صبح نہ جانے کتنی دیر سونے کے بعد جب اس نے آنکھ کھولی تو سفید مخمل کے بچھونے پر اپنے آپ کو پایا تھا ارد گرد سفید پردے اڑ رہے تھے کھڑکی سے آتی ہوئی سورج کی چمک، سفید ٹائیلز کو مزید چمکا رہی تھی۔ اس کی نظر اس شخص پر گئی جو صوفے پر بیٹھا اسے ہی تک رہا تھا ضحیٰ نے اسے دیکھ کر فوراً اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو میں صرف تمہاری خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔ ایسا کیوں لگ رہا ہے بار بار جیسے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

ضحیٰ نے پہلی بار اس بندے کو دیکھا جو محویت سے اسے ہی تک رہا تھا۔ ضحیٰ کے دیکھنے پر اس نے فوراً اپنی نظریں دوسری جانب پھیر لی۔ وہ اب اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی کنپٹی کو ٹک ٹک کر رہا تھا کہ شاید کچھ یاد آجائے۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ وہ اک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں یاد ہے ایک دفعہ حذیفہ نے تمام دوستوں کو پارٹی دی تھی۔تم بھی وہاں موجود تھی۔ڈانس فلور پر کچھ لوگ تمہارے ساتھ بدتمیزی کر رہے تھے پھر میں آیا تھا اور تمہیں وہاں سے باہر نکال لیا تھا یاد آیا؟" وہ اسے جذباتی سے انداز میں بتا رہا تھا۔ضحیٰ اسے بغور دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیا۔

"میں فواد ہوں ضحیٰ تم یاد کرو۔تم نے مجھے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔" وہ اسے حال میں رہتے ہوئے ماضی کا تعارف کروا رہا تھا مگر وہ بے خبر اور لاتعلق ہو کر نہ تو اسے سن رہی تھی اور نہ ہی اسے کوئی بات سننے میں دلچسپی تھی کیونکہ جس کا دوست ہونے کا اس نے حوالہ دیا تھا وہ حذیفہ سے اب شدید نفرت کرتی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی فواد فوراً اٹھ کر اپنا کوٹ ٹھیک کرتے ہوئے دروازے تک آیا باہر ملازم ٹرالی پر ناشتہ سجائے کھڑا تھا۔اس کے اشارے پر ملازم ٹرالی کو کمرے میں دھکیلتا ہوا بیڈ تک لے آیا تھا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" ملازم حکم کی پیروی کرتے ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔وہ اس کے جاتے ہی ضحیٰ کی جانب بڑھ گیا۔

"مجھے حذیفہ سے اس ذلالت کی امید نہیں تھی اس دن اس کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں تھا مگر میں تم دونوں کے تعلق سے بے خبر تھا لیکن آج یہ جان کر مجھے بے انتہا دکھ ہوا کیونکہ اس نے جو تمہارے ساتھ کیا وہ کوئی اپنا کیا غیر بھی کسی غیر کے ساتھ نہیں کرتا۔" وہ واقعی دکھی تھا۔

ضحیٰ نے پہلی بار اس کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا۔

"اب جو ہو گیا سو ہو گیا یہ وقت ماتم یا آنسو بہانے کا نہیں ہے۔ٹھیک ہے جو ہوا وہ قابل مذمت ہے مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔وہ فواد کا اپنے ساتھ ہمدردی کرتا دیکھ کر حیران ہوئی تھی مگر اب بھی خاموش تھی۔

"میں یہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اگر تم میرا ساتھ دو تو۔۔۔۔۔" وہ اٹھا اور اس کے لیے گلاس میں اورنج جوس بھرا۔ضحیٰ بھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔فواد نے جوس کا گلاس ضحیٰ کو پکڑایا۔

"مجھے مائیکل نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں اس کا پرپوزل تمہارے پاس لے کر جاؤں اور تمہیں اس کی شان و شوکت کے قصے سنا کر رضامند کروں چونکہ میں مائیکل کے قریبی بندوں میں سے ایک ہوں اسی لیے وہ مجھ

پر اندھا اعتماد کرتا ہے۔لیکن تم ہرگز یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری مدد اپنے کسی مقصد کے لیے کر رہا ہوں۔ضحیٰ! جب میں نے تمہیں کل اس حال میں دیکھا تو تم پر بے پناہ رحم آیا۔" وہ بولتے بولتے کچھ دیر رکا ضحیٰ کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آنے لگے۔

"مجھے اب کسی بھی انسان کا یقین نہیں رہا۔" اس نے آنکھوں کے بھیگے گوشوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ضحیٰ میں جانتا ہوں یہ سب تمہارے لیے مشکل ہوگا، مگر جس طرح پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اس طرح ہر انسان ایک جیسا جھوٹا، مکار نہیں ہوتا۔اس قید سے نکلنے کے لیے تمہیں اعتبار کرنا ہوگا اور ساتھ ساتھ ہمت باندھنی ہوگی۔" وہ اسے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ قید اب میری مقدر ہے میں چاہ کر بھی فرار نہیں ہو سکتی۔جب اپنے ہی دشمن ہو جائیں تو کسی غیر سے کیا شکوہ کروں۔" اس نے جوس کا گلاس جو مشکل سے آدھا بھی نہیں پیا تھا واپس ٹرالی پر رکھ دیا۔

"تم مائیکل کو شادی کے لیے ہاں کہہ دو۔" وہ اب بھی خاموش آنسو بہا رہی تھی وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"ضحیٰ تم بلکل پاگل ہو گئی ہو جب قسمت تمہیں ایک موقع دینا چاہ رہی ہے تو تم ہار کیوں مان کر یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیوں بیٹھ گئی ہو دیکھو تم ایک بار میرا پلان سن لو پھر تم اپنی من مانی کر لینا ٹھیک ہے؟"

ضحیٰ نے اپنی آمادگی ظاہر کی۔

"سنو تم۔۔۔۔۔۔"

☆.....☆.....☆

"میں آج بے حد خوش ہوں بے حد خوش، میں جانتا تھا فواد تم یہ کام ضرور کر لو گے۔" مائیکل نے فواد کو گلے سے لگا لیا تھا۔

"پورے محل کو سجا دو، خوب اچھے کھانے بنوا کر غریبوں میں تقسیم کرو اس خوشی کو پر جوش انداز میں منانا چاہتا ہوں۔" مائیکل نے ملازمین پر حکم جاری کیا تھا۔

"میں ابھی ضحیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے فواد سے مخاطب ہو کر کہا۔

"باس ابھی نہیں وہ میڈیسن لے کر آرام کر رہی ہیں انہوں نے کہا ہے کہ شام کو وہ خود آپ کو ملنے کے لیے

بلائیں گی۔" اس بات پر تو مائیکل کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں رہا۔

"کیا اس نے ایسا کہا؟" وہ اپنے احساسات پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

فواد نے سر اثبات میں ہلایا۔

شام آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی۔ آسمان پر ہر جگہ سرخ لالی سی بکھری ہوئی تھی۔ وہ کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی لاتعلق ہو کر باہر مناظر دیکھ رہی تھی۔

"زندگی ایک سی نہیں رہتی بچے۔ زندگی تو نام ہی اتار چڑھاؤ کا ہے نہ اچھے دن زیادہ دیر رہتے ہیں نہ ہی برے دن۔" اس کے پاپا بڑی شفقت سے اس کو اپنی گود میں بٹھا کر سمجھا رہے تھے۔

"مگر بابا! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جادو کی چھڑی سے اچھے دن ہم اپنے پاس رکھ لیں اور برے دن کسی اور کو دے دیں۔" اس نے بڑی معصومیت سے باپ سے سوال پوچھا تھا جس پر عابد اشتیاق نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"نہیں میری گڑیا یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جسے چاہے جس طرح رکھے۔ بہت سارے لوگ زندگی کو بھرپور طریقے سے جیتے ہیں اور بڑی خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں جبکہ بہت سارے لوگ بہت تکلیف اور پریشانی میں زندگی گزارتے ہیں مگر میری بیٹی ہمیشہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ زندگی چاہے جتنی بھی مشکل کیوں نہ ہو کبھی ہمت مت ہارنا، بلند حوصلوں اور جواں مردی سے حالات کا مقابلہ کرنا پھر دیکھنا اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور آخر میں فتح میری بیٹی کو ہی ملے گی۔" اس کے باپ کی کہی ہوئی باتیں اس نے اسی روز پلو میں باندھ لی تھیں۔ آج بھی اسے یہ الفاظ نہ صرف اس کے کانوں میں گونجے تھے بلکہ اسے اپنے پاپا کی بے تحاشا یاد آئی تھی اور وہ بلک بلک کر رو رہی تھی مگر نہیں اسے رونا نہیں تھا اسے ہمت نہیں ہارنی تھی اس کو اس قید سے باہر نکلنا تھا۔ اس نے اپنے سارے آنسو پونچھ لیے تھے۔ اسی دوران اس کو قدموں کی چاپ سنائی دی اس نے فوراً اپنا حلیہ درست کیا۔ ضحیٰ کو اب کمزور نہیں پڑنا تھا اسے حالات کا مقابلہ کرنا تھا اس بات کا اس نے دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا آگے کیا کرنا ہے وہ بخوبی جانتی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے ضحیٰ ڈارلنگ۔" مائیکل نے کمرے میں آتے ہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بغور اسے دیکھا

تھا اور اس کی طبیعت پوچھی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اب مائیکل۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"میں نے یہ سوچا ہے کہ اگلے جمعہ ہم نکاح کر لیں۔" اچانک ہی آج مجھے ابوظہبی جانا ہوگا میری واپسی عین ممکن ہے تین چار روز میں ہو جائے جب تک تم یہاں پر اپنی تیاری مکمل کر لو۔ وہ بہت ہی پرسکون انداز میں اسے اپنے آگے کے پلانز بتا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تھوڑی بہت شاپنگ کر لوں گی پر۔۔۔۔" وہ تھوڑا رکی اس کے چہرے پر فکر کے آثار پھیلے نظر آئے تو مائیکل سے رہا نہیں گیا۔

"پر کیا؟"

"پر تم تو ہو گے نہیں میں شاپنگ کس کے ساتھ کروں گی چھوڑو مجھے کوئی شاپنگ نہیں کرنی۔" وہ موڈ خراب کر کے اس کی برابر والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

"ارے اتنی سی بات۔" مائیکل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"اس مسئلے کا حل میرے پاس یہ ہے کہ میرا بندہ فواد ہے وہ وہیں پر ہوگا تم اس کے ساتھ چھوٹی موٹی شاپنگ کر لینا پھر شادی کا جوڑا میں تمہیں کو اپنی پسند کا دلواؤں گا۔ اوکے؟" اس نے فوراً ہی مسئلے کا حل پیش کر دیا تھا۔ ضحیٰ کے چہرے پر بھی اب خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"اوکے لیکن تم جلدی آ جانا۔" اس نے

مائیکل سے التجائیہ انداز میں کہا اس بات پر مائیکل خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

"اوکے ڈارلنگ۔" وہ کہتے ہوئے فوراً اٹھ گیا تھا۔ اس کی فلائیٹ شام پانچ بجے کی ہی تھی سو وہ اسے سی آف کرنے کے لیے باہر تک آئی پھر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اگلے دن پلان کے مطابق وہ فواد کے ساتھ شاپنگ پر گئی تھی۔

"ضحیٰ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ مائیکل کام کے سلسلے میں خود ہی ٹاؤن سے باہر چلا گیا ورنہ اس کی موجودگی میں ہم ایک قدم بھی یہاں سے وہاں نہیں کر سکتے تھے مگر ابھی بھی یقیناً ہم پوری طرح سے آزاد نہیں ہیں مائیکل

کے مخصوص بندے ابھی بھی ہماری نگرانی پر معمور ہیں۔" فواد اسے آگہی دے رہا تھا وہ دونوں اس وقت کیفیٹیریا میں بیٹھے تھے۔ضحیٰ نے ڈھیر ساری شاپنگ کی تھی مگر اس کا دل ایک دم بوجھل ہو رہا تھا نہ جانے اس کے بابا اور ماما کیسے ہوں گے۔عالیان کتنا یاد کرتا ہوگا ضحیٰ کو ٭ کیفے میں بیٹھے بھی اس کی آنکھ بھر آئی تھی اس نے فوراً ہی انگلی کی نوک سے آنکھوں کا کنارہ صاف کیا۔وہ دونوں اب کافی خرم کر کے گاڑی کی جانب بڑھے اسی اثنا میں فواد کا موبائل بجنے لگا۔

"مائیکل کی کال ہے۔" اس نے ضحیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا جواباً ضحیٰ خاموش رہی۔

"ہیلو مائی ڈیئر فواد۔" فون کان سے لگاتے ہی مائیکل کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہیلو باس کیا حال ہیں؟" فواد نے حال احوال دریافت کیا۔

"میرے حال تو بہت اچھے ہیں سنا ہے آپ بھی مزے میں ہیں۔" مائیکل کی آواز میں سرے سے طنز تھا۔ فواد نے فوراً ہی بھانپ لیا تھا کہ وہ اچھے موڈ میں نہیں ہے۔

"میں بھابھی کو شاپنگ پر لے کر آیا تھا بس اب گھر ہی جا رہا ہوں۔" فواد نے دھیمی آواز کرتے ہوئے کہا۔

"ویل ڈن! بس اب تمہیں میں زیادہ تکلیف نہیں دوں گا۔میں کل رات واپس آ رہا ہوں کیونکہ میرا کام جلدی نمٹ گیا ہے۔"

"اوکے گڈ بائے۔" دوسری جانب سے فون رکھ دیا گیا تھا مگر فواد کے اوپر جیسے آسمان ہی گر گیا تھا۔وہ کیا کہہ رہا تھا ابھی تو ان کے پاس پورا کل کا دن تھا اسے تو پرسوں رات آنا تھا۔بس اب جو بھی کرنا ہے کل ہی کرنا ہے۔

ضحیٰ گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کر رہی تھی جبکہ وہ گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑا مائیکل کی کال سن رہا تھا۔

"کل رات مائیکل واپس آ رہا ہے۔" فواد کو لگا وہ یہ خبر سن کر ہکا بکا رہ جائے گی مگر اس نے تو اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

"تمہیں جو بھی کرنا ہے کل شام سے پہلے پہلے کرنا ہے سوٹ کیس تو آج ہم نے خرید لیا ہے اب تم ضرورت کا سامان آج ہی رات رکھ لینا اور میں آج ہی فون کر کے تمہاری سیٹ کنفرم کروا لوں گا۔اب دعا کرو بکنگ میں کوئی مسئلہ نہ آئے ویسے آ بھی گیا تو کم از کم میں تمہیں یہاں سے کسی دوسرے ٹاؤن روانہ کر دوں گا۔" وہ لوگ اب

مال سے نکل گئے تھے اور گھر کی جانب رواں دواں تھے۔ ضحیٰ نے ابھی بھی کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا وہ یوں ہی عام سے انداز میں ونڈ اسکرین سے باہر لاتعلقی سے دیکھ رہی تھی جیسے کچھ سوچ رہی تھی بہت گہرا۔

فواد کی ہدایات کے مطابق اس نے اپنی پیکنگ کر لی تھی کچھ کپڑے اور معمولی ضروریات کی چیزیں بھی بیگ میں رکھ لی تھیں۔ رات کافی ہو گئی تھی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ صوفے پر نیم دراز تھی اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی اس نے ڈوپٹہ اپنے شانوں پر پھیلایا اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی۔

"تم سوئی تو نہیں تھی؟" فواد کمرے میں داخل ہوتے ہی اس سے پوچھنے لگا۔ ضحیٰ نے گردن نفی میں ہلائی۔

"میں نے تمہاری سیٹ بک کروادی صبح آٹھ بجے کی ہے یہاں سے صبح ہم چھ بجے نکل جائیں گے اور ابھی چار بج رہے ہیں۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر اسے بتایا۔

"چلو اچھا ہے تم نے پیکنگ کر لی۔" اس نے پلنگ کی دائیں جانب رکھے سوٹ کیس کو دیکھا۔ وہ کھڑکی پر نظریں جمائے ہوئے بیٹھی بغور اسے سن رہی تھی۔

"دیکھو ضحیٰ میں تمہیں ایر پورٹ تک ڈراپ کروں گا آگے کی منزل تمہیں خود طے کرنی ہوگی۔ اور مجھے یقین ہے تم با آسانی یہ کر لو گی۔ میں نے اس پرچے پر کچھ ضروری ہدایات اور اپنا نمبر بھی لکھ دیا ہے۔ پاکستان پہنچ کر پلیز مجھے اپنی خیریت بتا دینا۔" اس نے ضحیٰ کو ٹکٹ اور پرچہ تھماتے ہوئے کہا۔

ایک بات یاد رکھنا مشکلات ہمارے حوصلوں سے زیادہ بڑی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم بڑے حوصلے کے ساتھ ان چھوٹی چھوٹی مشکلات کا مقابلہ کریں گے تو یقیناً ہم کامیاب ہوں گے۔" وہ اب صوفے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

اور یہ آخر بات کہتے ہوئے اسے دیکھا کہ شاید پتھر کا مجسمہ موم ہو جائے ※ شاید زندگی جینے کی تڑپ پھر سے دل سے جنم لے لے مگر وہ وہیں اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی تھی۔ اسے ضحیٰ کی حالت پر ترس آیا وہ رکا نہیں فوراً ہی وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس نے پوری طرح سے سوچ لیا تھا کہ ڈیڈ کو کیا جواب دینا ہے۔ آج اکبر اشتیاق نیویارک سے واپس آرہے تھے۔

"ہیلو ڈیڈ۔" حذیفہ نے اکبر اشتیاق کو دیکھتے ہی فوراً انہیں خوش آمدید کہا۔ وہ سوٹڈ بوٹڈ تھے جیسے نیویارک سے میٹنگ اٹینڈ کر کے فلائیٹ لی ہو۔

"کیسے ہو میری جان؟" اکبر اشتیاق نے حذیفہ کو سینے سے لگایا۔ آج کیا دن تھا؟ کوئی خاص دن تھا کیا؟ ورنہ اکبر اشتیاق صاحب کے دل میں ان کے سو کالڈ بیٹے کے لیے محبت تو کہیں نہ تھی۔ حذیفہ کے دل سے کہی بہت نیچے سے آواز آئی تھی۔ اس نے اپنی تمام تر سوچوں کو جھٹک کر فوراً جواب دیا تھا۔

"آئی ایم گڈ۔" آپ کو تو مزید کچھ دن تک رکنا تھا نا ڈیڈ؟" حذیفہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا ابھی میرا کام پوری طرح سے ختم نہیں ہوا تھا مگر کیا کروں گھر کی یاد بہت ستا رہی تھی پھر ہمارے گھر معصوم سی لڑکی بھی تو آئی ہوئی ہے۔" وہ تھوڑا رکے۔

"کہاں ہے ضحیٰ؟ دکھ نہیں رہی۔" ضحیٰ کی غیر حاضری انہیں پریشان کر رہی تھی۔ انہوں نے حذیفہ کو بغور دیکھا۔ اس کے چہرے کے تمام رنگ اڑے ہوئے تھے۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔ اکبر اشتیاق کو حذیفہ کی خاموشی پریشان کر رہی تھی۔

"ڈیڈ وہ پاکستان چلی گئی۔" اس نے بہت ساری ہمت جمع کر کے ان کی نظروں میں نظریں ڈال کر کہا۔

:ضحیٰ واپس چلی گئی؟" وہ منہ کھولے ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔

"جی۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"تم مجھے اب بتا رہے ہو حذیفہ؟ تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟ وہ میری مہمان تھی میرے بھائی کی بیٹی وہ اس طرح سے چلی گئی میرا بھائی میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا۔" وہ اس پر برس پڑے تھے آواز بھی بھر آئی تھی وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ڈیڈ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں؟ میں نے ضحیٰ کو بہت روکا ان فیکٹ میں تو آپ کو فون کرنے ہی والا تھا پر اس نے فون ہاتھ سے چھین لیا اور کہا کہ تایا ابو کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں ان کی مرضی سے آئی تھی اور اب اپنی مرضی سے واپس جا رہی ہوں۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ تھوڑے دن رک جائے مگر اس نے ایک نہیں سنی بس یہی کہے جا رہی تھی کہ مجھے گھر والوں کی بہت یاد آ رہی ہے۔" وہ تھوڑا رکا اس نے اکبر اشتیاق

صاحب کا بے تاثر چہرہ دیکھا۔اسے حیرت ہوئی کہ وہ کسی قسم کا ردعمل کیوں ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

"لیکن ڈیڈ آپ فکر نہ کریں ڈیڈ میں نے اسے ایئر پورٹ تک خود ڈراپ کیا اور پاکستان فون کر کے اس کی خیریت بھی معلوم کر لی وہ خیر خیریت سے پہنچ گئی ہے۔" اس نے اطمنان سے اپنی بات جاری رکھی۔اس کی گھڑی ہوئی کہانی میں کہیں بھی جھول نہیں آیا تھا۔اس کی توقع کے عین مطابق ڈیڈ نے تمام رام کتھا بغیر سوال کیے سن لی تھی۔وہ تھوڑی دیر منتظر سا بیٹھا انہیں دیکھتا رہا پھر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حذیفہ نے بڑی مہارت سے اس کہانی کا نقشہ کھینچا تھا اس نے سفاکی کی ہر حد پار کرتے ہوئے اس گھر سے ضحیٰ کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔وہ خوش تھا اپنی چالاکی اور مکاری پر۔وہ ہر بازی جیت رہا تھا مگر ایک بازی تھی جو قسمت اس کے ساتھ کھیلنے والی تھی جس وہ انجان اور بے خبر تھا۔

اکبر اشتیاق وہیں تھوڑی دیر بیٹھے رہے پھر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔مگر کیا ہوا کہ ان کے قدم خود بخود ضحیٰ کے کمرے کی جانب بڑھنے لگے ان کو اب گھر میں کسی کی موجودگی سے غرض نہ تھا پر ضحیٰ کی غیر موجودگی انہیں بہت ستا رہی تھی۔وہ کمرے میں پہنچ کر کمرے کا جائزہ لینے لگے وہاں ہر چیز سیٹ تھی جیسے اس کمرے کو کسی نے استعمال ہی نہ کیا ہو۔ان کے قدم بے اختیار سائڈ ٹیبل کی جانب اٹھے جہاں پر انہوں نے خط رکھا تھا۔ان کو یقین تھا کہ ضحیٰ نے خط اب تک پڑھ لیا ہوگا۔

"کہیں وہ خط کی وجہ سے تو۔۔۔" ان کی چھٹی حس نے خطرے کا اشارہ دیا تھا۔انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ کل خود ضحیٰ سے فون پر بات کریں گے۔

☆.....☆.....☆

اس نے اپنا وارڈروب کھولا اور ہینگر میں لٹکے کپڑوں کو دائیں بائیں کرنے لگا۔جیسے سوچ رہا ہو کہ وہ کیا پہنے اچانک اس کی نظر ایک سفید لفافے پر پڑی ٹکٹ کا تو اسے معلوم تھا مگر یہ لفافہ جس پر بڑا بڑا لکھا تھا" فار مائے نیس ضحیٰ"

(For my niece Zuha)

ذرا ہم بھی پڑھ کر دیکھیں اس میں ڈیڈ نے ایسا کیا لکھا ہے جس کا ذکر ہم سے بھی نہیں کیا۔اس دن جلدی میں

اس پر توجہ نہیں دی تھی مگر آج وہ اسے پڑھ سکتا تھا۔ وہ لفافہ کھول ہی رہا تھا کہ موبائل کی بیل بجی اس نے لفافہ وہیں رکھا اور فون اٹینڈ کرنے لگا۔

"ہاں بھئی میں تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔" اس نے کال اٹینڈ کر کے فوراً جواب دیا۔ الوداعی کلمات کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ کپڑے نکالنے کے بعد فوراً ہی فریش ہونے کے لئے واش روم چلا گیا۔

*****

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" طویل خاموشی کے بعد چونکا دینے والی آواز ضحیٰ کی تھی۔ جو اس کے بالمقابل فرنٹ سیٹ پر بیٹھی برقعہ میں ملبوس تھی۔ فواد اس کے بولنے پر اس لئے بھی چونکا تھا کیونکہ یہ آواز جانے سے صرف پندرہ منٹ پہلے ہی سننے کو ملی تھی جس کا منتظر وہ پچھلے ایک ہفتے سے تھا۔

"جی کہو۔" وہ پر اطمینان ہو کر ڈرائیو کر رہا تھا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کو بھی بغور دیکھ رہا تھا۔

"جو کچھ تم نے میرے لیے کیا ہے اس کا شکریہ ادا تو میں نہیں کر سکتی مگر میں تمہارے لئے دعا کر سکتی ہوں اور دعا کروں گی کہ تم جیسے اچھے انسان کی اللہ ہر برائی سے حفاظت کرے اور جو تم چاہتے ہو وہ تمہیں فوراً مل جائے۔" وہ بات مکمل کر کے خاموش ہو گئی جیسے منتظر تھی کہ فواد کچھ کہے گا مگر آج خاموش رہنے کی باری فواد کی تھی اسے حیرانگی نے گھیرے میں لے لیا۔

گاڑی اب ایئر پورٹ کے وسط میں کھڑی تھی جہاں سے سیدھا اسے اپنے ملک پاکستان آنا تھا۔ ضحیٰ کی کچھ عجیب کیفیت تھی خوشی بھی تھی اور بے یقینی بھی مگر جو کچھ بھی تھا وہ اس سرشاری میں محو تھی۔ فواد ڈرنک میں سے اس کا بیگ اور سوٹ کیس نکال رہا تھا۔ اس نے بھی اپنا نقاب برابر کر دیا تھا اب صرف اس کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔

"یہاں سے آگے کا سفر تمہیں طے کرنا ہے ضحیٰ۔" فواد نے ضحیٰ کا ہینڈ بیگ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اس میں تمہاری تمام ضروری اشیاء ہیں ٹکٹ اور دیگر ڈاکومنٹس۔ اللہ نے چاہا تو تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ اور ہو سکے تو اس غریب کو دعا میں یاد رکھنا۔ اللہ حافظ۔" اس نے ضحیٰ کی آنکھوں میں دیکھا تو دنگ رہ گیا اس کی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں نم تھیں مگر اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

"اب تم جاؤ پہنچ کر اپنی اطلاع ضرور دینا۔" اس نے سوٹ کیس پکڑاتے ہوئے کہا۔ فوراً ہی گاڑی میں جا کر

بیٹھ گیا۔ ضحیٰ بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی۔ فواد بھی اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ چکے تھے۔ ضحیٰ نے آخری بار اسے پلٹ کر دیکھا دونوں کی نظر ایک پل کے لئے ہی ملی پھر لوگوں کے ہجوم میں وہ دور ہوتا گیا اور ضحیٰ کی منزل قریب آنے لگی ضحیٰ تہہ دل سے فواد کی مشکور تھی۔

☆.....☆.....☆

"پانچ سو درہم، ڈیبٹ کارڈ، رولیکس کی گھڑی اور اب برانڈ نیو کار کی چابی۔ حذیفہ میاں پچھلے دنوں آپ نے جتنا جیتا تھا آج ہم آپ سے دگنا وصول کر رہے ہیں۔" اس کے ایک دوست نے شرارتی انداز میں میز پر رکھی چیزوں کا تبصرہ کیا جس پر باقی دوستوں نے پرزور قہقہہ لگایا۔ حذیفہ کی شکل دیکھنے والی تھی آج اس کی جیت کا گھمنڈ پاش پاش ہو گیا تھا۔ اس کو ہارنا نہیں آتا تھا زندگی کے سب پتے اس کے ہاتھ میں تھے مگر اب بازی پلٹنے والی تھی اور زندگی کی بازی بھی تو پلٹنے والی تھی۔ وہ پژمردہ سے انداز میں کھڑا ہونے لگا۔

"ارے بھئی! کہاں جا رہے ہو ہم تمہیں ڈراپ کر دیں گے اب ہم اتنے بھی ظالم نہیں ہیں۔" اس کے ایک دوست نے دوسرے دوست کو تالی مارتے ہوئے کہا جس پر سب ہنس پڑے۔ حذیفہ رکا نہیں اس کا دم گھٹنے لگا وہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔

جیسے تیسے کر کے وہ رات کو دو بجے گھر پہنچا گھر پر معمول کے مطابق سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بغیر کسی چاپ کے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ آج اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جیت کی خوشی کا کوئی مول نہیں ہوتا اور ہار کے رنج کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے پلنگ پر جوتوں سمیت چت لیٹ گیا اس نے بے اختیار اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر بندھی گھڑی اتارنا چاہی مگر ہاتھ خالی تھا۔

پھر اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ ڈیڈ کو ایک اور کورا سٹوری سنا کر کہ (کل رات اسے ڈاکوؤں نے گن پوائنٹ پر سب چھین لیا) سب کچھ دوبارہ لے لے گا اور ڈیڈ بھی اس پر یقین کر کے اسے سب کچھ دے دیں گے۔ ایک امید سی بندھی تھی مگر آنے والا وقت کتنا ہولناک تھا وہ اس سے بے خبر تھا۔ وہ اپنی ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ اسے دروازے پر دستک کی آواز آئی دستک نہیں تھی کوئی دروازے کو پیٹ رہا تھا اس نے

بوکھلا کر وال کلاک پر وقت دیکھا۔

"اس وقت کون۔۔۔۔۔۔" وہ فوراً دروازہ کھولنے کے لیے لپکا۔

"چھوٹے صاحب جلدی چلیے بڑے صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ہم سب انہیں ہسپتال لے جا رہے ہیں۔" دروازے پر کھڑا ملازم بہت ہی گھبرائے ہوئے انداز میں اس سے آگاہ کر رہا تھا۔حذیفہ پر بھی پریشانی کا غلبہ ہونے لگا۔وہ اسی کے ساتھ لان میں آیا تھا۔جب تین چار ملازم ڈیڈ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لیٹا رہے تھے۔ اس نے بھاگ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"ڈیڈ ٭ آپ کو کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟" حذیفہ نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور ریورس کرنے لگا کوئی جواب نہیں آیا۔اس نے گاڑی کی اسپیڈ تیز کر دی۔

"ڈیڈ پلیز کچھ تو بولیں۔" اس کی آواز بھرائی تھی۔اس نے قریبی ہسپتال میں گاڑی روک دی اکبر اشتیاق کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا۔حذیفہ ساتھ ہی ساتھ زیب کو بھی کال کر رہا تھا مگر اس کے فون پر مسلسل بیلز جا رہی تھیں۔

"آپ مریض کے کون ہیں؟" وارڈ سے ایک ڈاکٹر نے آتے ہی اسے مخاطب کیا جو ایک طرف نڈھال سا بیٹھا تھا۔

"میں ان کا بیٹا ہوں۔" وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"ڈاکٹر صاحب کیا ہوا ہے ڈیڈ کو؟"

"دیکھیں آپ تسلی رکھیں اور ان کی زندگی کی دعا کریں۔" ڈاکٹر نے اسے دلاسا دیتے ہوئے پیٹھ تھپتھپائی اور آگے بڑھ گیا۔وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھ گیا۔رات کا آخری پہر تھا پوری رات آنکھوں میں کاٹنے کے باعث اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔کافی طویل انتظار کے بعد ایک دوسرا ڈاکٹر وارڈ سے باہر آیا تھا۔

"سوری ہم آپ کے فادر کو نہیں بچا سکے۔" وہ جو ڈاکٹر کو دیکھتے ہی کھڑا ہوا تھا واپس دھڑام سے بیٹھ گیا اس کے سر پر کسی نے بم پھاڑ دیا تھا۔ڈاکٹر اسے دلاسا دیتے ہوئے چلا گیا تھا۔

"ڈیڈ۔" وہ صرف یہی لفظ کہہ سکا۔کوئی چیز اس کے چہرے کو گیلا کر رہی تھی اسے یاد آیا کہ وہ آج کتنی سال بعد

رو رہا تھا۔اس کے ڈیڈ کے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کبھی ایک آنسو بھی نہیں آیا تھا اور آج وہ زار و قطار رو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

آخری رسومات کو ادا ہوئے آج چوتھا دن تھا۔آج بھی بہت سارے لوگ تعزیت کے لیے آرہے تھے۔کچھ لوگ جا بجا ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرتے تو کچھ دوست اور قریبی رفقاء ان کے اچھے اخلاق کے قصے بیان کرتے حذیفہ خاموشی سے نظریں جھکائے وہ سب سنتا رہا اسے لگتا یہ لوگ جس شخصیت کی بات کر رہے ہیں وہ اسے نہیں جانتا کیونکہ اس نے اپنے باپ اکبر اشتیاق کو کبھی جانا ہی نہیں تھا۔جب سے اکبر اشتیاق نے زیب سے تیسری شادی کی تھی اس وقت سے وہ اپنے باپ سے کھنچا کھنچا رہتا تھا۔اسے لگتا کہ اس کے ڈیڈ اب اسے نظر انداز کرتے ہیں پھر جب زونی کی پیدائش ہوئی تو اپنی بیٹی سے والہانہ محبت اور عقیدت دیکھ کر اسے حسد ہونے لگا تھا۔اس نے اپنے آپ کو اس گھر سے بہت دور کر لیا تھا۔وہ صرف رات کو تین سے چار گھنٹے سونے آتا تھا اور صبح ہوتے ہی گھر سے نکل جاتا تھا۔پھر ننھی اچانک آمد نے دل میں لگی حسد کی آگ کو اور ہوا دی۔اسے لگا کہ جو بچی کچی محبت اپنے بیٹے حذیفہ کے لیے تھی وہ بھی ننھی کی آمد نے ختم کر دی ہے کیونکہ جب سے ننھی آئی تھی وہ ہر وقت ننھی کی فکر میں لگے رہتے اس کے کھانے پینے سے لے کر گھومنے پھرنے تک کی پرواہ صرف اکبر اشتیاق کو تھی اور جب واپسی پر انہوں نے ننھی کو نہ پایا تو شدید صدمے کا شکار ہو گئے۔

وہ وہیں سفید شلوار قمیض میں ملبوس لان میں اکبر صاحب کے کچھ دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تب ہی اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ گاڑی پورچ میں آکر رکی۔اس میں سے زیب اور اس کے ساتھ سیاہ کوٹ اور پینٹ میں ملبوس ایک وکیل اترا وہ دونوں اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔حذیفہ اور ساتھ بیٹھے لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"مسٹر حذیفہ اکبر یہ کورٹ کی طرف سے نوٹس ہے۔" وکیل نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا ایک فائل اس کی جانب بڑھائی زیب ایک طرف خاموش کھڑی حذیفہ کا بے تاثر چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کون سا نوٹس؟" اس نے فائل ہاتھ میں لیتے ہی نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا تھا۔

"کورٹ سے جاری کردہ نوٹس میں درج ہے کہ مرحوم اکبر اشتیاق نے اپنی تمام تر پراپرٹی اور بزنس کے تقریباً شیرز مسز زیب اکبر کے نام کر دیے ہیں لہذا زیب کی خواہش ہے کہ آپ تھوڑا بہت حصہ لے کر ان کا گھر ایک ہفتے میں خالی کر دیں۔" وکیل نے حرف بہ حرف نوٹس میں لکھے الفاظ کی تشریح کر دی وہاں بیٹھے سب لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور حذیفہ کے سر پر تو بجلی آ گری تھی۔ اس کی زیب پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ زیب اطمنان سے سینے پر ہاتھ باندھی کھڑی اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھی جو اب غصے سے لال ہو گیا تھا۔

"ذلیل عورت تم نے میرے باپ کا سب کچھ چھین لیا۔ ان کی عزت ان کی دولت اور اب بھی تمہارا دل نہیں بھرا جو ان کا بچا کچا مال بھی سمیٹنے آئی ہو۔" وہ عالم طیش میں زیب پر برس رہا تھا۔ اس نے پوری قوت سے وکیل کے ہاتھ سے کاغذ چھینے اور اس سے دوگنی قوت سے ان کاغذات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیا۔

"تم سے جو کچھ ہو سکے کر لینا کیونکہ میں اب یہ گھر خالی نہیں کرنے والا۔" وہ دوٹوک انداز میں وکیل اور زیب سے کہتا ہوا اندر چلا گیا زیب کا چہرہ فق پڑ گیا تھا۔ وہاں کھڑے تماشائی تماشا بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ زیب انگریزی میں بڑبڑاتے ہوئے سینڈل پٹختی باہر نکل گئی اور گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"بیٹا تم سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ آفس آؤ وہاں کے حال احوال دیکھو، بزنس کی جان پہچان رکھو۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھ سے اب سب کچھ نہیں سنبھالا جاتا۔" کسی شناسا آواز نے اس کے پاس بہت قریب آ کر سرگوشی کی اس نے دائیں بائیں جانب دیکھا مگر کوئی نہیں تھا۔

"کاش ڈیڈ میں اس وقت آپ کی بات مان لیتا تو آج میرے ہاتھ اس طرح سے خالی نہ ہوتے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بے آواز رو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ اسی اثناء میں کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ۔"

"صاحب یہ کسی کا فون آیا ہے۔" ملازم ہاتھ میں فون لیے کھڑا اس کا منتظر تھا۔ حذیفہ نے بغیر کسی سوال کے فون ہاتھ میں لے لیا۔

"ہیلو۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ہیلو بیٹا حذیفہ میں عابد تمہارا چچا۔" دوسری جانب کون ہوگا یہ حذیفہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

"عابد چچا۔" اس نے زیرلب بڑبڑایا۔

"ہاں بیٹا کیسے ہو کافی وقت گزر گیا نہ تمہیں دیکھا نہ ہی تم سے بات کی۔" وہ پرجوش انداز میں اس سے مخاطب تھے۔

"می میں ٹھیک ہوں۔" اس کی آواز بھرآئی تھی وہ صرف یہی کہہ سکا۔

"ہاں اللہ تمہیں خوش رکھے۔ بیٹا میری کافی دنوں سے بھائی جان سے بات نہیں ہوئی ہے۔ موبائل پر کال کر کر کے تھک گیا میں کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تم میری بات تو کروادو ذرا۔" عابد اشتیاق نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"اب آپ کی ان سے کبھی بات نہیں ہو سکتی انکل۔" حذیفہ نے روتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔

"یہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" عابد اشتیاق کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا بول رہا ہے۔

"دیکھو بیٹا اگر یہ مذاق ہے تو بہت گندا مذاق ہے۔ بھائی جان سے میری بات کرواؤ۔" اس بار عابد اشتیاق نے غصے میں بولا تھا۔

"ڈیڈ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔" جتنی روانی سے اس نے یہ جملہ ادا کیا تھا اتنی ہی روانی سے کال کاٹ دی تھی۔ کچھ جملوں کا ادا ہونا اتنا تکلیف دہ ہوتا ہے اسے آج پتا چلا تھا۔

ایک ہفتہ، دو ہفتہ، تین ہفتے اکبر اشتیاق کے انتقال کو ایک مہینہ گزر گیا تھا مگر حذیفہ کی زندگی تو اسی رات میں تھم گئی تھی اسے اگلا پچھلا کچھ یاد نہیں تھا یاد تھا تو صرف اور صرف اس کے ڈیڈ کا کھل کھلاتا ہشاش بشاش چہرہ ان کی باتیں، اپنے بچوں کے لیے ان کی محبت ✻ کئی مرتبہ اس نے اپنے ڈیڈ کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھے تھے مگر ہر بار اس نے نظرانداز کر دیا تھا مگر آج پہلی بار اسے تجسس ہوا تھا کہ آخر ڈیڈ کو کس بات کا غم تھا ان کی زندگی میں تو ہر چیز پرفیکٹ تھی ایک آئیڈیل زندگی جس کی خواہش ہر کوئی کرتا ہے۔ مگر وہ اس گتھی کو سلجھانے سے اب قاصر تھا نہ تو وہ یہ بات کسی سے پوچھ سکتا تھا نہ ہی کوئی اس بات کا صحیح جواب دے سکتا تھا سوائے اس شخص کے جو

اب درمیان موجود نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

"بھئی تم تو جب سے دبئی سے آئی ہو ہمیں تو بھول ہی گئی ہو۔" اقصیٰ خالہ ضحیٰ کو لان میں اکیلے بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"ارے نہیں خالہ مصروفیات ہی بڑھ گئی تھیں۔" ضحیٰ نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"مصروفیات کون سی؟ صاف بول ناں کہ اب خالہ کی یاد ہی نہیں آتی اور یہ تو نے اپنا کیا حال بنایا ہے ضحیٰ تو پہلے سے زیادہ کمزور ہو گئی ہے۔"

جواب میں وہ خاموش رہی۔

"میں جانتی ہوں کہ تم اپنے تایا سے بے انتہا محبت کرتی تھی اور وہ بھی تم پر اپنی جان چھڑکتے تھے پر میری جان یہ تو دستور ہے کہ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن جائے فانی سے رخصت ہو ہی جانا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"لیکن خالہ لوگ اتنی جلدی کیوں چلے جاتے ہیں؟ ابھی تو ہم تایا سے ملے تھے اتنے عرصے بعد صلح ہوئی تھی۔ اتنے عرصے بعد میل ملاپ بڑھا تھا میں تو ان کے ساتھ رہ کر آئی ہوں مجھے تو یقین بھی نہیں آرہا کہ تایا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔" بولتے بولتے وہ آبدیدہ ہو گئی تھی۔

"بیٹا یہ سارے قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں اس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ہم چاہ کر بھی ان فیصلوں کو نہیں بدل سکتے۔ اب میں تمہیں ایک مثال دیتی ہوں کیا تم نے حضرت یعقوب کی محبت کے بارے میں سنا ہے؟ وہ باپ بیٹے ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے جب حضرت یوسف اپنے باپ حضرت یعقوب سے بچھڑ گئے تو حضرت یعقوب چالیس سال تک ان کی جدائی میں روتے رہے اتنا روئے کے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی پھر جب وہ ملے تو انہیں قرار آیا ٭ سکون ملا اپنا جگر گوشہ کے کرتے کو آنکھوں سے لگایا تو ان کی بینائی واپس آئی تو بیٹا یہ سب قسمت میں لکھا تھا کہ پہلے وہ اپنے بیٹے سے بچھڑے پھر اتنے عرصے کے بعد ان سے ملے قسمت میں لکھا ہوا کوئی بھی نہیں مٹا سکتا اور جہاں تک بات اس دنیا سے رخصت ہو جانے کی ہے تو یہ غم تو ہمارے

انبیاء اور رسولوں نے بھی سہا ہے ان کی آل پر بھی یہ وقت گزرا ہے مگر انہوں نے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" وہ بولتے بولتے آبدیدہ ہوئیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں خالہ۔" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا چل اب میرے لئے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر لا۔"

"جی ابھی لائی۔" وہ کہہ کر اٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

ہوائی جہاز کا پورا سفر انتہائی اضطراب اور بے چینی میں گزرا تھا۔ سانس کا رک جانا کیا ہوتا ہے یہ اسے عین اس وقت پتا چلا تھا۔ جب یہ اعلان اس کی سماعتوں میں گونجا تھا۔

"آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہوائی جہاز ٹھیک دس منٹ کے بعد پاک سرزمین پر لینڈ کرے گا۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ لینڈنگ کے لیے تیار رہیں۔"

یہ اعلان سنتے ہی اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ کیا تھا آخر؟ رنج، دکھ یا ندامت؟ جانے کس احساس نے اسے شش و پنج کا شکار کر دیا تھا۔ یہ دس منٹ کب گزرے تھے اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ ایئر پورٹ سے باہر نکلا جہاں ایک سفید رنگ کی گاڑی پہلے سے اس کی منتظر تھی۔ وہ اپنے چچا کو دور سے بھی پہچان سکتا تھا سو اس نے پہچان لیا تھا اس کو ان میں اپنے ڈیڈ کی شبی نظر آئی تھی۔

"ویلکم مائی سن!" عابد چچا نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ ان کی آنکھوں سے حذیفہ کے لیے چھلکتا پیار کوئی پہلی دفعہ نہیں تھا۔ وہ حذیفہ کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ وہ دونوں اب گاڑی میں سوار تھے۔

"سفر کیسا گزرا؟ کوئی مشکل تو نہیں ہوئی؟" چچا نے خاموشی کو توڑتے ہوئے سوال پوچھا۔

"جی اچھا رہا!" اب وہ اور کیا کہتا زندگی کا سب سے بدترین اور مضطرب سفر اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔۔۔

گاڑی کراچی کی کشادہ سڑک پر رواں دواں تھی۔ حذیفہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا دونوں طرف ہی خاموشی تھی۔

اس کے چچا عابد اشتیاق سمجھ چکے تھے کہ لمبے سفر کی تکان کی وجہ سے حذیفہ چپ ہے ٭ مگر اصل وجہ کیا تھی حذیفہ اس سے بخوبی آشنا تھا۔ گاڑی اب بڑے سے حسین و دلکش بنگلے کے دروازے پر ہارن دے رہی تھی۔ دروازہ کھولا جا چکا تھا مگر نہ جانے حذیفہ کو یوں لگا کہ قسمت نے اس کے لیے سارے دروازے ہی بند کر دیئے ہیں۔ گاڑی اندر جا کر رک گئی تھی اب جو اگلا مرحلہ تھا وہ اس سے واقف تھا۔ وہ اب پوری طرح سے حواس باختہ ہو چکا تھا۔ مسئلہ یہ نہیں تھا وہ سب کی نظروں کا سامنا کیسے کرتا مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ صرف اس کی نظروں کا سامنا کیسے کرے۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا اور اب اس کے پاس گاڑی سے اترنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا اس نے گاڑی سے اتر کر زمین پر قدم جمانے کی کوشش کی تھی۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی قدم تھے جو آگے نہیں بڑھ رہے تھے ذہن تھا جو سیاہ ماضی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا سر مزید چکرایا اس نے اپنے قدم آگے بڑھائے تھے مگر کیا ہوا تھا کہ وہ سر کے بل زمین پہ دھڑام سے گرا تھا۔ اس کے سر کے عقبی حصے میں بری طرح درد کی لہر اٹھی تھی۔ اس کو اپنے ارد گرد دو چار آوازیں محسوس ہوئی تھیں ٭ اس کے ذہن کے پردوں اب مکمل طور پہ اندھیرا چھا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فضاؤں میں بسی چمبیلی کی خوشبوؤں کا راج ہر سو تھا شام تھم چکی تھی آسمان پر چھائے رنگ آہستہ آہستہ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ ڈھل چکے تھے۔ کمرے میں بھی اتنی ہی خاموشی تھی جتنی باہر تھی اور شاید دل بھی اتنا ہی ویران تھا جتنی یہ شام اداس تھی۔

اس کو ہوش آنے لگا تھا۔ وہ پچھلے تین گھنٹوں سے اسی کے پاس گم صم سی بیٹھی تکے جا رہی تھی۔

"وقت بھی کتنا بے رحم ہوتا ہے نا حذیفہ ٭ وہ کسی کو نہیں بخشتا۔ وقت اپنے سے کھیلنے والوں کو خوب مزہ چکھاتا ہے۔ وقت انسان کو اس کی اوقات بتاتا ہے ایک وقت تھا جب تم بادشاہ بنے پھرتے تھے جب تم لوگوں پر راج کیا کرتے تھے لوگ تمہارے محکوم تھے۔۔۔ اور آج تم بادشاہ سے فقیر بن گئے خدا نہ کرے کبھی کہ بادشاہت میں کیے ہر ظلم کا کفارہ تمہیں فقیری میں ادا کرنا پڑے۔" وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی دل کی آواز تو کوئی نہیں سن سکتا ناں اس کی آواز بھی کسی نے نہیں سنی تھی۔ مگر اس نے سن لی تھی

جو خوب سننے والا ہے۔

"ان کو ہوش آنے لگا ہے میں نے ان کو نیند کا انجیکشن لگایا ہے کیونکہ ان کا بلڈ پریشر ابھی بھی نارمل نہیں ہوا یہ کسی گہرے صدمے کی زد میں ہیں۔ کیا کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟" نرس جو تھوڑی دیر پہلے ہی کمرے میں آئی تھی۔ اس کو ہوش میں آتا دیکھ کر ٹریٹمنٹ میں مصروف ہو گئی تھی ضحیٰ کو تفصیل بتاتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"جی کچھ فیملی ایشوز ہیں اس کے علاوہ انہیں اپنے فادر کی وفات کا گہرا صدمہ پہنچا ہے۔" ضحیٰ نے آہستگی سے سوال کا جواب دیا۔

"اوہ، اللہ رحم کرے۔" نرس یہ کہہ کر ڈش اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

کمرے میں بیٹھے بیٹھے اس کا دم گھٹنے لگا تو وہ باہر نکل گئی دور سے عالیان کو آتا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ ابھر آئی۔ بلیک پینٹ سی گرین شرٹ اور چیک والی ٹائی میں وہ کس قدر دلکش لگ رہا تھا اس کو شروع سے ہی محنت کش لوگ پسند تھے یا یوں کہنا مناسب ہے کہ وہ بچپن سے ہی محنت اور دل لگا کر کام کرنے والوں کے بیچ رہی تھی پہلے اس کے ابو اور اب اس کا بھائی عالیان گھر کا اپنا کاروبار ہوتے ہوئے بھی فرم میں نوکری کرتا تھا کیونکہ جس طرح عابد اشتیاق نے تنکہ تنکہ جوڑ کر اپنے بل بوتے پر آشیانہ بنایا تھا اسے بھی ان کی طرح محنت و لگن کر کے اپنا مقام بنانا تھا سو اسی مقصد کے انجام کے لئے وہ دن رات ایک کر رہا تھا۔

"بھائی آپ کو دیر ہو گئی؟ میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے لاڈ سے کہا۔

"ہاں یار! میٹنگ میں ٹائم لگ گیا۔ تم یہ بتاؤ حذیفہ کی طبیعت اب سنبھلی یا نہیں؟" وہ متفکرانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"اس کو ہوش آیا تھا پر ڈاکٹر نے اسے نیند کا انجیکشن لگایا ہے۔ ان کے مطابق اس کا بلڈ پریشر کنٹرول نہیں ہوا ہے۔" ضحیٰ نے حرف بہ حرف جواب دیا۔

"اچھا اب تم جاؤ میں یہاں ہوں۔ ڈرائیور باہر کھڑا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں پھر گھر جا رہی ہوں۔" وہ الوداعی کلمات کہہ کر وہاں سے گھر آ گئی۔

اگلے تین روز تک وہ گھر پر ہی رہی جس شام حذیفہ کو ہسپتال سے ڈسچارج کیا گیا اسی شام عابد اشتیاق نے اپنے گھر میں مرحوم اکبر اشتیاق کی روح کو ایصال وثواب کرنے کی نیت سے قرآن خوانی منعقد کی تھی۔

"یہ ہیں حذیفہ میرے بڑے بھائی مرحوم کے بیٹے۔" عابد چچا نے اپنے دوستوں سے حذیفہ کو متعارف کروایا۔وہ جو سفید شلوار قمیض میں خاموش کرسی پر بیٹھا تھا اچانک تعارف پر ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کرتے ہیں بیٹا آپ؟" سلام وخیریت کے بعد ایک محترم نے سوال کیا۔

"فی الحال تو کچھ نہیں، یہاں آگیا ہوں تو جاب ڈھونڈوں گا۔" اس نے مختصراً مگر خوش اسلوبی سے جواب دیا۔

اس کی شخصیت ہی کچھ ایسی تھی کہ لوگ اس سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔وہ پہلی ہی نظر میں لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا کرتا تھا سو اس نے کر لیا تھا بعد از وہ لوگوں کے تاثرات اور تعریفی جملے وصول کرتا رہا۔جب لوگ الوداعی کلمات کہہ کر رخصت ہو گئے تو وہ چچا کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

یہاں سب کچھ الگ تھا یہاں اس کے گھر کی طرح چوبیس گھنٹے نوکر چاکر نہیں تھے کمرے میں آنے کے بعد اسے کافی کی از حد طلب ہوئی مگر وہ کسے کہتا۔اس نے کچن میں جا کر خود کافی بنانے کا فیصلہ کیا۔

"مگر کچن ہوگا کہاں پر۔" وہ کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیاں اترنے لگا تو اسے لونگ روم سے لائٹ آتی دکھائی دی۔اس نے ایک نظر وہاں بیٹھے شخص پر ڈالی اور اگلے ہی لمحے پھرتی سے اس نے قدم پیچھے کر لیے۔

وہ وہی تو تھی جس کا سامنا وہ کبھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کے مائیکل کے گھر سے فرار ہونے کی خبر تو اس تک پہنچ چکی تھی مگر وہ حیرت زدہ تھا کہ وہ اسکی قید سے کیسے فرار ہوئی اور اسکے بعد اس نے اسکی خیریت معلوم کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا آہ کیا ندامت تھی آج وہ اسی کے گھر میں موجود تھا آج وہ ان لوگوں کی مدد کا محتاج تھا۔۔۔اس کے لمبے سیاہ بال جو آج بے حجاب تھے انہیں دیکھنے کے بعد وہ سحر زدہ ہو گیا تھا۔اس کو لگا کہ اتنے خوبصورت بال اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے تھوڑی دیر گزری تو لیونگ روم کی لائٹ آف ہو گئی اسی لمحے وہ اس کے خیالوں میں سے باہر آیا تھا وہ پلٹنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے شائستگی سے بھرپور آواز اس کی سماعتوں میں گونجی۔

"کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" وہ جتنی تیزی سے پلٹا تھا اتنی ہی آہستگی سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ٹی پنک شلوار قمیص پہنے ڈوپٹہ اوڑھے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"وہ۔۔۔۔۔وہ مجھے۔۔۔۔۔۔کچن۔۔۔۔۔۔

دراصل مجھے کافی پینی تھی تو مجھے کچن کا راستہ نہیں معلوم یہ بتا دیں تو میں کافی خود ہی بنا لوں گا۔" وہ پہلے تو الفاظ ڈھونڈنے لگا پھر نظریں جھکائے گویا ہوا۔

ضحیٰ کو یقین ہی نہیں ہوا کہ یہ وہی انسان ہے جو اس نے دبئی میں دیکھا تھا۔ وہ جس نے کبھی التجا کرنا نہیں سیکھی تھی صرف حکم دینا جانتا تھا۔ آج درخواست کر رہا تھا۔ کیا عجب کھیل ہیں قسمت کے بھی۔۔۔۔۔

وہ کچھ کہے بغیر دائیں جانب بڑھ گئی وہ بھی اس کا تعاقب کرتے کرتے آہستگی سے بڑھنے لگا۔

"یہ کافی، یہ چینی اور فریج میں دودھ ہے۔" اس نے سنگ مرمر کے ماربل پر تمام ہی اشیاء رکھ دیں اور چلی گئی۔ وہ جو نظریں جھکائے کھڑا تھا اس کا سر مزید جھک گیا۔ کافی کی جتنی طلب تھی اب دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا اسے عجیب سی گھٹن ہونے لگی تھی ذہن کے پردوں پر سیاہ ماضی کسی فلم کی طرح رونما ہوا تھا وہ واپس اپنے کمرے میں چلا آیا اس کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتا۔" جو پہلی بات ذہن میں آئی تھی وہ یہی تھی۔ یہی سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگی اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔

اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو ذہن اور جسم دونوں بوجھل سے لگے سر کی چوٹ تو کافی بہتر تھی مگر درد وقفے وقفے سے جاری تھا۔

وہ کھڑا ہوا کھڑکی پہ لٹکے پردوں کو سرکایا تو ایک خوشگوار ہوا کے جھونکے نے دل کو لبھا دیا۔ نہ جانے کس احساس نے اسے آگیرا تھا۔ کچھ تھا۔ کچھ ایسا جو سکون بخش تھا۔ کافی عرصے کے بعد آج وہ اپنے وطن میں تھا یہ شاید زمین پاک کی مٹی کی خوشبو تھی جو سانسوں کے ساتھ کافی اندر تک اتر رہی تھی۔ وہ فریش ہو کر جب نیچے آیا تو ضحیٰ اور عالیان تیار ہو کر نکل ہی رہے تھے۔

"ہے ینگ مین۔" عالیان نے اسے دیکھ کر پکارا۔

"صبح بخیر۔"

"گرم گرم ناشتہ تمہارا منتظر ہے! آج امی نے مزیدار آلو کے پراٹھے بنائے ہیں یقین کرو تم ایک کھا کر دوسرا ضرور مانگو گے۔" عالیان شوخی سے بتاتے ہوئے گویا ہوا اس پر حذیفہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

"بھائی ہم تو اب جا رہے ہیں۔ میں تو آفس جاؤں گا اور ضحیٰ یونیورسٹی۔۔۔۔۔ میں تو پھر رات تک ہی آؤں گا البتہ ضحیٰ ضرور جلدی آجائے گی۔"

"امید ہے کہ تم بور نہیں ہو گے۔" عالیان نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"چلو بھی اب ضحیٰ۔" اس نے گھڑی میں دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا۔

"ہاں بس تیار ہوں چلو۔" وہ اپنے شانے پر بستہ ڈالے اس کے ساتھ چل دی۔

"ارے رکو، ضحیٰ۔۔۔۔ ضحیٰ۔۔۔" ابھی ان لوگوں نے راہداری عبور ہی کی تھی کہ پیچھے سے تنزیلہ صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

"جی امی۔" وہ تیز رفتاری سے اندر آئی۔

"تم نے پانی کی بوتل رکھی؟ اور اپنی میڈیسن؟" اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں جھانکا۔

حذیفہ چپ چاپ کھڑا سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

"ضحیٰ تم اپنا کوئی کام پورا نہیں کرتی۔" تنزیلہ صاحبہ نے غصے سے کہا۔

"یہ لو رکھو بیگ میں۔" انہوں نے میڈیسن اور پانی کی بوتل اسے دی اور دعائیں دے کر اللہ کے امان میں رخصت کیا۔

"بیٹا تم یہیں کھڑے ہو چلو ڈائننگ میں چلو میں تمہیں ناشتہ دیتی ہوں۔" وہ بڑے پیار سے اس سے گویا ہوئیں وہ بھی خاموشی سے ان کے ساتھ چل دیا۔

"یہ لو بیٹا گرما گرم پراٹھا، تمہیں پتا ہے ضحیٰ کو تو یہ اتنے پسند ہیں کہ اگر میں اسے روکوں نہ تو وہ کھاتی ہی رہے اور عالیان تو بس خوشبو سونگھ لے تو بھنک پڑ جاتی ہے کہ آج میں نے آلو کے پراٹھے بنائے ہیں۔" وہ اپنی ہی دھن میں اسے کتھا سنانے لگیں اور وہ چپ چاپ پراٹھا کھانے لگا۔ اسے بھی خبر نہ ہوئی کہ اس نے کب دوسرا پراٹھا ختم کر لیا۔

واقعی وہ بہت لذیذ تھے اتنی لذت بھرے پراٹھے تو اس نے کبھی کھائے ہی نہیں تھے۔

"بیٹا یہ اور لو نا۔" دوسرا ختم ہوتے ہی انہوں نے پلیٹ میں تیسرا ڈال دیا۔

"نہیں آنٹی یہ بہت ہیں یہ واقعی بہت لذیذ ہیں۔" اس نے پوری ایمانداری سے ان کی تعریف کر دی۔

"آنٹی کیا میں کچھ دیر باہر جا سکتا ہوں۔"

"ہاں کیوں نہیں بیٹا، ایسا کرو کہ ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ۔"

نہیں نہیں میں بس اکیلا جانا چاہتا ہوں۔""

"ٹھیک ہے پر بیٹا جلدی گھر آجانا۔" وہ سر اثبات میں ہلا کر باہر نکل گیا۔

تنزیلہ صاحبہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ اس گھر سے نکلنے کے بعد اپنے کسی ٹھکانے کی تلاش کرے گا مگر وہ اس شہر کے راستوں سے انجان تھا اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کسی بھی ہوٹل کے جانے کو کہا۔

ڈرائیور نے اس کو شہر کے خوبصورت اور مہنگے ہوٹل کے سامنے کھڑا کر دیا حذیفہ نے ریسپشن سے تمام ضروری معلومات اکٹھا کرنے کے بعد واپس گھر کے لیے روانہ ہوا اس نے سوچا ہوا تھا کہ اب وہ وہاں نہیں رہے گا۔ اور اپنے قریبی دوست کے گھر رہائش کا بہانہ بنا کر وہاں سے منتقل ہو جائے گا۔ اسی سلسلے میں وہ آج بات کرنے والا تھا اسی رات اسے خبر ملی کہ عابد چچا کو کسی کام سے دوسرے شہر جانا پڑ گیا تھا سو جو وہ بات کرنا چاہتا تھا وہ نہیں ہو سکی۔

ایک دن، دو دن، تین اور چار دن اس کے یوں ہی انتظار میں گزرے ہر گزرتا دن اس کے اندر بے چینی اور اضطراب بڑھا رہا تھا بظاہر تو وہ خوش دکھائی دے رہا تھا مگر اندر دل میں طوفان برپا تھا۔ ایسا طوفان جس کے آنے کا وقت متعین تو نہیں تھا پھر بھی اسے آنا ضرور تھا۔

"اور باس! آگے کی کیا پلاننگ ہیں؟" ٹی وی لاونج میں تن تنہا بیٹھا حذیفہ کوئی شو دیکھ رہا تھا۔ عالیان بھی برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔

"آگے کا کچھ سوچا نہیں۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو سوچو ناں۔" عالیان شوخی سے بولا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی چھوٹی موٹی جاب کرلوں۔"

"اچھا تو مجھے اپنے ڈاکومنٹس دے دینا۔"

"اسلام علیکم بچو۔" اچانک ان کے کانوں میں آواز آئی۔

دونوں نے بے ساختہ گردن موڑی وہاں پیچھے عابد اشتیاق کھڑے تھے ٭ کتھائی رنگ کا شلوار قمیص کے اوپر آف وائٹ واسکٹ کتنی جچ رہی تھی۔

"ابو آپ آگئے۔" عالیان تو فوراً ان کی طرف لپکا۔ حذیفہ بھی احترام میں کھڑا ہوگیا۔

"آپ تو چودھویں کے چاند کی طرح خیر سے نکل آئے۔" عالیان نے عابد اشتیاق کو چھیڑنے والے انداز میں کہا۔ ایک قہقہہ بلند ہوا اور وہاں سے ضحیٰ بھی دوڑتی ہوئی ان کی جانب بڑھی۔

"ابو" وہ دوڑتی ہوئی ان سے گلے لگ گئی۔

"میری جان کیسی ہے؟"

"بلکل ٹھیک نہیں تھی اب ٹھیک ہوں۔"

باپ واقع گھر کی رونق ہوتا ہے حذیفہ کو وہ تمام اچھے دن یاد آگئے جب اکبر اشتیاق گھر کے لان میں بیٹھے ہوتے تو وہ ان کو دور سے ہی ہاتھ ہلا کر گھر میں داخل ہوجایا کرتا تھا۔ پھر جب جب وہ بزنس ٹور سے آتے تب بھی وہ کوئی دلچسپی نہ لیتا تھا۔

"آہ کیا وقت تھا وہ۔۔۔۔"

"حذیفہ یہاں آو وہاں کیوں کھڑے ہو۔" عابد اشتیاق نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا اس نے محسوس کیا کوئی چیز منظر کو دھندلا کر رہی ہے وہ کوئی چیز نہیں بلکہ آنسو تھے اس نے انگلی کے پوروں سے نمی صاف کی۔

"حذیفہ میاں میں نے آپ کے لیے جاب ڈھونڈ لی ہے۔" کھانے کی میز پر مختلف قسم کے کھانے سے لطف اندوز سب ہی لوگ حیرت سے عابد اشتیاق کی جانب دیکھ رہے تھے اور خود حذیفہ ایسا تھا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ جاب نہیں کرنا چاہتا تھا مسئلہ تو یہ تھا کہ اسے کچھ آتا جاتا نہیں تھا۔

"بھئی دراصل میرے پاس ایک عدد اکاونٹ کی سیٹ خالی ہوئی ہے تو میں نے سوچا تمہیں آفر کروں۔" اس نے خالی خالی نگاہوں سے عابد اشتیاق کو دیکھا۔

"کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے، ہے تو بلا جھجک کہہ سکتے ہو۔"

"نہیں میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں میں اس کے قابل نہیں ہوں ※ بس۔۔۔"

"ٹھیک کہتا ہے یہ تو کسی چیز کے بھی قابل نہیں ہے نہ جانے ابو کب اس کی حقیقت کو سمجھیں گے۔" ضحیٰ نے اسے گھورتے ہوئے سوچا۔

"آپ مجھ پر اتنا بھروسہ نہ کریں اگر میری وجہ سے آپ کو کوئی بڑا نقصان ہو گیا تو؟" سنجیدگی اور معصومیت اس کے انداز سے چھلک رہی تھی۔

"اف اتنا معصوم بن رہا ہے ذلیل انسان۔" ضحیٰ کا غصہ بھی عروج پر تھا وہ دل ہی دل میں بڑبڑا رہی تھی۔

"بیٹا فکر کرنے کی بات نہیں ہے وہاں میرے بہت سے دوست بھی ہیں جو تمہاری مدد کریں گے اور اگر نقصان ہو بھی گیا تو خیر ہے بچہ ※ انسان گر کر ہی سنبھلتا ہے۔" عابد اشتیاق نے بھی نیکی کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"ابو آپ کیوں نہیں سمجھ رہے؟ یہ انسان کے روپ میں خوف ناک بھیڑیا ہے جو صرف دوسروں کی گردن دبوچنا چاہتا ہے۔" ضحیٰ نے ایک نظر عابد اشتیاق کو دیکھا اور دوسری کڑی نظر حذیفہ اس بھیڑیے پر ڈالی اس دونوں کی نظر ایک پل کے لیے ملی اور حذیفہ وہاں سے اٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

"ضحیٰ ذرا جا کر حذیفہ کے کمرے سے لانڈری میں دینے والے کپڑے لے آو۔" تنزیلہ بیگم ایک طرف کپڑوں کا ڈھیر لگائے ضحیٰ سے مخاطب ہوئیں۔

ضحیٰ کچھ جواباً کہنے لگی تھی کہ اوپر سے آتے ہوئے حذیفہ کو دیکھ کر ایک ترکیب سوجھی۔

"امی کیا آپ کو نہیں پتا حذیفہ اپنے کپڑے خود دھوتا ہے۔ وہ کبھی کسی کو اپنے کپڑے ہاتھ تک نہیں لگانے دیتا۔" وہ جو سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر دنگ رہ گیا مگر زیادہ دھچکا اسے تب لگا جب اس نے پوری بات سنی۔

"کیا۔ میں اور کپڑے۔ میں خود کیسے دھو سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر ناگواری اور غصہ کے اثرات نمایاں تھے مگر فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو نارمل کر لیا۔

"آو میں تمہیں واشنگ ایریا دکھا دوں۔" ضحیٰ نے حذیفہ کو دیکھا تو فوراً اسے مخاطب کیا۔

"یہ لو سرف یہ مشین ہے۔ آن کرنا تو آتا ہے نا؟ اور بقیہ سامان بھی تم یہیں سے لے سکتے ہو۔"

وہ باری باری سرف مشین اور برش کو دیکھنے لگا اس میں سے کسی ایک چیز کا استعمال اسے نہیں آتا تھا۔ ہاں البتہ سرف کپڑے دھونے کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ ضرور پتا تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔ اگر مدد چاہیے ہو تو کسی کو مت بلانا کیونکہ یہاں پر کوئی نہیں ہے۔" چہرے پر نرم سی مسکراہٹ سجائے وہ چلی گئی اور وہ اس کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

"کاش دبئی میں میں نے اس لڑکی نما چڑیل سے بنا کر رکھی ہوتی۔"

اللہ اللہ کر کے اس نے کئی تجربے کے بعد مشین شروع کر دی تھی ہلکی آواز کے ساتھ مشین چلنے لگی تھی۔ اس نے تقریباً آدھا ڈبہ سرف کا ڈال دیا تھا اور کپڑوں کا ڈھیر ڈال کر خوش ہو گیا کہ اب کپڑے دھل جائیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ کپڑے تو اپنی جگہ پر رکے ہوئے ہیں تو خیال آیا کہ میں نے اس میں پانی تو ڈالا ہی نہیں۔

"اوہ گاڈ پانی کے بغیر کپڑے کیسے دھل سکتے تھے۔" اس نے دو بالٹیاں بھر بھر کر مشین میں ڈال دیں اب اسے اس مشین کے سائرن بجنے کا انتظار تھا۔ کیا کمال تھا کہ پاکستان سے بیرون ملک جانے والے وہاں جا کر ہر قسم کا کام کرتے ہیں۔ کپڑے، برتن، کھانا پکانا اور وہ تھا جو بیرون ملک سے پاکستان آ کر یہ سب کام کر رہا تھا۔ نہ جانے اور کیا کیا کام اسے کرنے تھے۔

قریباً دو گھنٹہ کپڑوں کے ساتھ مغز ماری کرنے کے بعد وہ نیچے آیا تھا۔

"دھو لیے بیٹا کپڑے؟ کتنا وقت لگا کر تم نے کپڑے دھوئے یقیناً صاف ستھرے دھوئے ہونگے نا۔"

"تمہارے چاچا کو بھی صاف چمکتے دمکتے کپڑے چاہیے ہوتے ہیں انہیں دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے ذرا پسند نہیں آتے اب تم ہی دھو دیا کرنا ان کے کپڑے۔""

اس کو جیسے زور سے کرنٹ لگا ہو وہ وہیں سیڑھیوں کی ریلنگ سے چپک گیا تھا۔اپنے کپڑوں کو اجالے وار کر آیا تھا تو پھر چاچا کے کپڑے۔۔۔اسے بے اختیار لیڈی موبان یاد آئی۔

☆.....☆.....☆

وہ لان میں بیٹھا مہارت سے کام کرتے مالی کو دیکھ رہا تھا کہ تنزیلہ بیگم اور ضحیٰ اسی کی جانب بڑھتے ہوئے نظر آئے۔

"بیٹا یہ مارکیٹ تک جا رہی ہے خریداری کرنے کے لیے تم بھی اس کے ساتھ جاؤ میں چلی جاتی مگر صبح سے پاؤں میں سخت درد ہو رہا ہے۔" وہ قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں جبکہ ضحیٰ خالی خالی نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

"جی میں جاتا ہوں۔" وہ فرمانبرداری کے اول درجے پر جا پہنچا تھا۔ڈرائیور گاڑی نکال چکا تھا۔

"تم جاؤ میں ڈرائیو کرلوں گی۔"

"مگر ضحیٰ باجی، صاحب۔۔۔"

"صاحب کی اجازت لے چکی ہوں اب اترو بھی۔"

ڈرائیور ہڑبڑا کر اتر گیا۔ضحیٰ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔حذیفہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا تھا کہ کڑکدار آواز آئی۔

"پیچھے۔" وہ چپ چاپ اپنے قدم پیچھے کی طرف لے گیا اور بیک سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وہ گاڑی ریورس کر چکی تھی اب گاڑی بڑی اور وسیع سڑک پر رواں دواں تھی۔

حذیفہ حیران ہوا کہ وہ اتنے اعتماد سے گاڑی چلا رہی تھی۔اس وقت وہ ون وے گلی میں ڈرائیو کر رہی تھی جہاں کوئی عین سڑک کے بیچ میں گاڑی کھڑی کر کے کہیں چلا گیا تھا۔ضحیٰ نے ایک دو بار ہارن دیا مگر وہ واپس نہیں آیا۔ضحیٰ کو ایسے لوگوں سے سخت چڑ تھی جو نہ تو خود قانون پر عمل درآمد کرتے تھے نہ دوسروں کو یہ شرف بخشنا چاہتے تھے۔

کچھ ہی دیر کے بعد بیس پچیس سال کا لڑکا شاپ سے کچھ تھیلے ہاتھ میں لیے سیٹی بجاتے بجاتے گاڑی کی جانب

بڑھا اور وہاں ضحیٰ اپنی گاڑی سے طیش میں اتری تھی حذیفہ بھی سہم کر گاڑی سے اتر گیا۔

"یہ کیا کرنے جا رہی ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا پر وہاں تماشہ شروع ہو چکا تھا۔

"کیا یہ روڈ آپ کے ابو کی پراپرٹی ہے یا وراثت میں آپ کو ملا ہے۔" سوال سیدھا تھا اور انتہائی غضب ناک انداز میں پوچھا گیا تھا۔

"جی آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس لڑکے میں دنیا کی معصومیت سمٹ آئی تھی جیسے وہ ابھی ابھی دنیا میں آیا ہو۔

"جو میں نے پوچھا ہے وہ آپ سمجھ تو گئے ہیں دراصل قصور آپ کا نہیں ہے آپ کے گھر والوں کا ہے جنہوں نے آپ کو گاڑی تو دے دی ہے مگر ٹریفک کے قوانین وضوابط سے لاتعلق اور بے خبر رکھا افسوس ہوتا ہے مجھے ان والدین پر جو اپنی اولاد پر پورا بھروسہ کر کے ان کو سہولیات مہیا کرتے ہیں اور پھر ان کی حرکتوں سے بے خبر رہتے ہیں۔" وہ عالم طیش میں اس سے مخاطب تھی اور وہ لڑکا منہ کھولے اس کی باتیں سن رہا تھا اور ادھر حذیفہ کی تو ہوائیاں اڑ رہی تھی۔ نہ جانے اسے کیوں لگا کہ آخری جملہ اس لڑکے کے لیے نہیں بلکہ میرے لیے ہے۔

"یہ ضحیٰ نہیں ہو سکتی۔" جو فوراً خیال آیا تھا وہ یہی آیا تھا وہ واپس گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

اس لڑکے نے اسے ایسے گھورا جیسے کھڑے کھڑے ہی اپنا نوالہ بنانا چاہ رہا ہو، پھر وہ بغیر کوئی جواب دیئے اپنی گاڑی کی طرف لپکا اور زن سے آگے بڑھ گیا۔

ضحیٰ ایک لمحہ تک اس کی گاڑی کو جاتا ہوا دیکھتی رہی پھر فوراً گاڑی میں آ کر بیٹھی اور سپر مارکیٹ کے باہر گاڑی روک دی۔

"یہ لو یہ لسٹ ہے سب چیزوں کی۔" اس نے لسٹ حذیفہ کو تھمائی۔

"میں پندرہ سے بیس منٹ میں واپس آ رہی ہوں۔ تب تک تم یہ سامان کی خریداری کرو۔"

"اور یہ لو پانچ ہزار روپے۔"

وہ اڑی رنگت کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"میں سب اکیلے کیسے۔۔۔" وہ بولنے ہی لگا کہ ضحیٰ کے سوال نے اسے مزید الجھا دیا۔

"کیوں تم ایک لڑکی کا سودا اکیلے کر سکتے ہو؟ یہ تو پھر گھر کا سودا سلف ہے۔" ضحیٰ نے اپنے الفاظ سے اتنا زور

دار تمانچہ اس کے منہ پر مارا تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ ضحیٰ نے گاڑی اپنے گھر کی جانب دوڑا دی۔

☆.....☆.....☆

"کیا قیامت آگئی ہے؟" اس نے عربی میں بوڑھے انکل سے پوچھا شکر ہے کہ ان کو عربی نہیں آتی تھی۔ تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے کہ "بیٹا کیا کہہ رہے ہو؟" ۔۔۔۔۔ "جی کچھ نہیں پہلے دھوبی بنا اب خانساماں نہ جانے اور کیا کیا بننا باقی ہے۔"

وہ مارکیٹ میں داخل ہوا تو الجھ کر رہ گیا۔ یہ دبئی نہیں تھا ورنہ تو کوئی مسئلہ نہیں تھا پر یہ پاکستان اور اس میں موجود کراچی میں واقع بمقام صدر کی ایمپریس مارکیٹ میں موجود تھا۔

اس کو وہاں مصالحوں کی بھنی بھنی خوشبو کے ساتھ، صابن اور سرف کی ملتی جلتی بو نے خوشآمد کیا۔ آگے ہی گوشت مارکیٹ تھی اور اس سے تھوڑا پہلے سبزی منڈی۔

وہاں آتے جاتے لوگ اسے ایسے دیکھ رہے تھے کہ انہیں اپنی بینائی پر شک ہو رہا تھا حلیے سے امیر کبیر لگتا شخص وہاں مارکیٹ میں کیا کر رہا تھا۔

اس نے لسٹ پڑھنا شروع کی۔

مٹن، بیف، چکن، آلو، پیاز، ہرا دھنیا اور جانے کیا کیا اس کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

وہ جو گھر سے اپنے بھورے مائل بال بڑی تیاری سے بنا کر نکلا تھا اب ماتھے پر بری طرح بکھر گئے تھے۔

اف ایسی سخت گرمی میں یہ انتظار بھی بعض اوقات مار ڈالتا ہے۔ اسے خریداری کیے آدھے گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا مگر میڈم ضحیٰ کا اتا پتا نہیں تھا اب تک تو وہ گھر بمع سامان پہنچ بھی چکا ہوتا اگر اسے صحیح گھر کا پتہ معلوم ہوتا اسے رہ رہ کر اپنی کم علمی پر افسوس ہو رہا تھا۔

کہتے ہیں کہ کبھی کبھی حسن بھی آزمائش بن جاتا ہے اور وہاں کھڑا حذیفہ جیتی جاگتی آزمائش تھی۔

اس کا ذہن ایک بار پھر ماضی میں ڈوب چکا تھا۔ ایک صبح تھی جب وہ ضحیٰ کو مال گھمانے لے گیا تھا اور وہاں اسے اکیلا چھوڑ کر واپس آگیا تھا اور پھر ایک شام تھی جب وہ بھولی بھٹکی گھر آئی اور اس نے اس کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

دو گھنٹے گزرنے کے بعد اسے اپنے سمت میں سفید گاڑی نظر آئی اور خوش قسمتی یہ تھی اس میں ضحیٰ موجود تھی۔

"ہائے بے چارے کی صورت کیسے کملا گئی ہے۔" ضحیٰ نے بے اختیار افسوس کیا مگر دل ہی دل میں وہ خوش تھی۔

اگر مشکل تھی تو راحت نہ تھی۔۔۔

اگر امتحان تھا تو کامیابی نہ تھی۔۔۔۔

اگر سزا تھی تو مکمل نہ تھی۔۔۔

"اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں کسی مشین کے ذریعے ماضی میں جاتا اور اپنے ہر کئے عمل کی تلافی کرتا۔ کاش کوئی مشین ہوتی۔" اس نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

"حذیفہ تمہارے آفس کی تھوڑی بہت رینوویشن باقی ہے۔ بس ایک دو دن میں مکمل ہو جائے تو تم جوائن کر سکتے ہو۔" رات کو کھانے کی میز پر مختلف کھانوں سے لطف اندوز ہوتے عابد اشتیاق نے حذیفہ سے کہا۔ جواباً اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بیٹا ویسے تو تم میرے اپنے بیٹے جیسے ہو مگر میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے ایکیڈمک ڈاکومنٹس کل تک مجھے ہینڈ اور کر دو تاکہ میں آفس کے رکارڈ میں شامل کر لوں۔"

"جی میں آج ہی نکال دوں گا۔" اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

کھانے کے بعد الائچی والی چائے کا دور چلا کیونکہ عابد اشتیاق کا کہنا تھا کہ جب تک وہ اپنی بیٹی ہاتھ کی بنی چائے نہ پی لیں انہیں نیند نہیں آتی۔ حذیفہ نے بھی کافی پینے کی عادت ترک کر دی تھی کیونکہ اسے کافی سے زیادہ اب چائے اچھی لگنے لگی تھی۔

چائے سے فارغ ہو کر وہ اپنے روم میں آ گیا اور پلنگ پر لیٹ گیا وہ اس قدر تھک گیا تھا کہ آنکھیں خود بخود بند ہو رہی تھیں۔

"جلدی سے آفس چلا جاؤں تاکہ ان گھر والوں اور ان کے کام کاج سے چھٹکارا مل جائے۔" وہ اکتاہٹ سے سوچ رہا تھا۔

پھر اسے ڈاکومنٹس کا خیال آیا وہ جھٹ سے اٹھا اور پٹ سے الماری کھولی وہاں دراز میں سے ڈاکومنٹس نکال لئے وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک سفید لفافہ اس کے قدموں میں آ گرا۔ اس نے ایک نظر ڈالی اور اس کو اٹھایا۔

"For My Niece Zuha"

(میری بھتیجی ضحیٰ کے لیے) یہ خوشخطی پہچاننا اس کے لئے مشکل نہ تھی۔ یہ الفاظ اکبر اشتیاق نے رقم کیے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ اسے کھولے اور اس میں موجود جو کچھ بھی ہے اسے پڑھ لے مگر نہ جانے کس خیال نے اسے روک لیا۔ اس نے سوچا کہ صبح وہ ضحیٰ کو یہ لفافہ تھما دے گا۔

☆.....☆.....☆

عشق تمام حدوں کو پار کر چلا
یہ جنون بن کر دلوں کو برباد کر چلا
عشق کی بالا دستی تک نہ کوئی پہنچ سکا
یہ ہر ہستی کا سرے سے صفہ چٹ کر چلا
بنتے تھے جو ظالم دور دیوانگی کے
عشق ان پتھر دلوں کو بھی موم کر چلا
عشق تمام حدوں کو پار کر چلا
یہ جنون بن کر دلوں کو برباد کر چلا

رات کی تاریکی ہر سو پھیلی ہوئی تھی فلک پر ویرانی کا گہرا غلبہ تھا کیونکہ نہ چاند تھا نہ ہی اس کی چاندنی۔ نہ جانے کتنی ہی دیر کھڑکی پہ کھڑی وہ اپنا ماضی کرید رہی تھی جو پل اس نے اس شخص کے ساتھ گزارے تھے وہ بے مول تھے اسے خوشی تھی کہ وہ رشتوں کی کھوئی ہوئی محبت ڈھونڈ لائی ہے مگر وہ خوشی ہی کیا جو اپنے ساتھ رنجش نہ لائے۔

"کیا میں حذیفہ کے ساتھ ٹھیک سلوک کر رہی ہوں؟" کہیں بہت اندر سے آواز آئی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک کر رہی ہوں۔ آخر میں نے اس کے ساتھ ایسا کر بھی کیا دیا ہے اس نے تو میری بازار میں

قیمت بھی لگا دی تھی۔اس کو رشتوں کی پرواہ نہیں ہے۔" اس نے کٹھور دلی سے جواب دیا۔

"تو کیا تم اس سے بدلہ لو گی؟" ایک بار پھر سوال کیا گیا تھا مگر وہ چپ رہی وہ جواب کے لیے الفاظ تلاش رہی تھی مگر وہ اس بار کچھ نہ کہہ سکی۔

وہ تمام تر سوچوں کو جھٹک کر خواب گاہ کی طرف چل دی۔

"امی آپ کو پتا ہے جب میں دبئی میں تھی۔۔۔" وہ رکی اور حذیفہ کو دیکھا وہ جو چائے ہی پی رہا تھا۔اس کے ہاتھ سے کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا مگر کوئی اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔

"تو ہفتے میں ایک دو دفعہ حذیفہ کوکنگ کرتا تھا اور مزے مزے کے کھانے بنا کر کھلایا کرتا تھا۔ان فیکٹ تایا جان بھی اس کے ہاتھ کا بنا کھانا کھاتے تو تعریف کرتے تھکتے نہیں تھے۔ان کا کہنا تھا کہ" ایسا ذائقہ تو عورتوں کے ہاتھوں میں بھی نہیں ہوتا۔"

وہ سب ناشتے کی میز پر بیٹھے محویت سے ضحیٰ کی بات سن رہے تھے۔اب سب حذیفہ کو نگاہ رشک سے دیکھ رہے تھے اور ضحیٰ آنکھوں میں شرارت سجائے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ نظریں جھکائے چائے کو دیکھ رہا تھا۔"کیا چائے اتنی کڑوی تھی یا اس کی باتیں۔"

"بھئی حذیفہ میاں ہمیں بھی تو کچھ اپنے ہاتھوں سے بنا کر کھلاؤ۔"

"ابو یہ تو بہت چھپا رستم نکلا۔۔۔اتنا سب کچھ آتا ہے مگر کچھ بتاتا ہی نہیں۔" عالیان بھی اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور ضحیٰ کا بس چلتا تو زور زور سے ہنس دیتی۔" بے چارہ کبھی کچن کی شکل بھی نہیں دیکھی اب کھانے پکائے گا۔" وہ آنکھیں سکیڑے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"آخر بیٹا کس کا ہے۔بچپن میں اکبر بھائی بھی بہت خاموش اور کم گو تھے مگر کوئی کام ایسا نہ تھا جو وہ بخوبی انجام نہ دیتے میں ان سے اکثر پوچھتا کہ بھائی آخر آپ ہر کام اتنی اچھی طرح اور دل سے کیسے کر لیتے ہیں؟ تو پتہ ہے وہ جواب میں کیا کہتے؟"

"جب دل میں سچائی اور نیت میں پختگی ہو تو کوئی بھی کام گراں نہیں گزرتا۔اس وقت تو میں بات گول کر جاتا تھا پر اب ایک ایک بات سمجھ آتی ہے۔"

وہ بتاتے بتاتے ماضی کے جھروکوں میں کہیں گم ہو گئے تھے۔ حذیفہ اب پہلے سے کہیں زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا عالیان نے ماحول میں نیا رنگ ڈالا۔

"ارے ابو ایک آئیڈیا ✻ اس ویکینڈ پر آپ کے کچھ دوست آرہے ہیں نا۔۔۔۔کیوں نہ حذیفہ ڈنر تیار کرے یقیناً آپ کے سب دوست انگلیاں چاٹ کر رہ جائیں گے۔ کیوں ضحیٰ؟" عالیان نے ضحیٰ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا ضحیٰ جواباً مسکرائی۔

"ارے نہیں بیٹا حذیفہ کو کسی بھی مشکل میں نہیں ڈالنا ہمیں۔۔۔۔اگر اس کا دل چاہا بھی تو وہ ہمیں کچھ نہ کچھ اپنے ہاتھوں سے بنا کر کھلا دے گا۔" حذیفہ کی مسلسل خاموشی نے عابد اشتیاق کو سنجیدگی اختیار کرنے پر اکسایا تھا۔

"نہیں مجھے کوئی مشکل نہیں ہوگی میں ڈنر تیار کرلوں گا آپ بس مجھے یہ بتادیں کہ لوگ کتنے ہوں گے؟"

"کبھی نمک مرچ کو تو دیکھا نہیں اور ڈنر بنانے چلا۔" ضحیٰ نے دل ہی دل میں بے یقینی سے سوچا۔

"بیٹا عالیان تو مذاق کر رہا تھا تم نے تو بات دل پہ لے لی۔" تنزیلہ بیگم نے عالیان کو غصے سے گھورتے ہوئے حذیفہ کو مخاطب کیا۔

"آپ فکر نہ کریں مجھے زحمت نہیں ہوگی بلکہ مجھے خوشی ہوگی۔"

لہجہ خوشگوار تھا ارادہ اٹل تھا دشمن کو مات دینے کا انداز بھی کیا انداز تھا کہتے ہیں اگر کسی کام کی ٹھان لی جائے تو حوصلہ چٹان کی طرح اڑ جاتا ہے اور ہمت طوفان کی طرح بڑھ جاتی ہے اور کرنے والے کام کر گزرتے ہیں۔

اگلے دو دن کے بعد ویک اینڈ تھا اس نے یہ دو دن اپنے لیپ ٹاپ کے آگے گزارے اس نے نمک سے لے کر تمام گرم مصالحوں کے بارے میں اچھی طرح سرچنگ کرلی اور موسم کے حساب سے دو ڈشز کا انتخاب بھی کرلیا چکن تھائے سوپ اور چکن سزلر و رائس بنانے والا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے کبھی کچن کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی مگر اب اسے کچن کی نہ صرف شکل دیکھنی تھی بلکہ اس میں گھنٹوں کھڑے رہ کر کارکردگی دکھانی تھی۔

آخر کار وہ دن بھی آہی گیا وہ صبح صبح تنزیلہ بیگم کے ساتھ جا کر تمام سامان لے آیا تھا۔

اب تک تو صرف کھانے کھائے تھے مگر ان کھانوں کو بنانے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آخر اور کیا کیا میرے ساتھ ہونا باقی ہے۔ کاش میں اس دن اپنا منہ بند رکھتا پتہ نہیں مجھے کیا سوجھی جو یہ ذمہ داری اپنے اوپر لے لی اب تو کچھ

نہیں ہوسکتا۔اے خدا میری لاج رکھ لے۔

وہ بے حد اداسی میں سوپ کے لیے باریک سبزی کاٹ رہا تھا اب اس کو سلر کے لیے سبزیاں کاٹنی تھیں وہ لیپ ٹاپ کھولے ساتھ ساتھ سبزیوں کی کٹنگ سیکھ رہا تھا اور بھی اسی طرح ان کو کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وقت تھا جو پر لگا کر اڑنے کو تھا، کام تھا جو سمیٹ میں نہیں آ رہا تھا۔اسے بے اختیار لیڈی موبان یاد آئیں تھیں۔ کاش وہ ہوتی یہاں تو ان سے مدد لے لیتا۔

"سفید ٹوپی، سفید ایپرن میں وہ اس قدر دلکش لگ رہا تھا کہ اگر وہ واقع کک ہوتا لڑکیاں اس کے کھانے سے زیادہ اس پر مرمٹتیں۔"

"رات نو بجے تک ڈنر ریڈی کر لینا مجھے امید ہے تم کر لو گے۔" وہ جو محویت سے سبزیاں کاٹ رہا تھا ضحیٰ کچن میں اسے مطلع کرنے آئی اچانک آواز سن کر اس کا دھیان ہٹ گیا اور اسی دوران چھری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پاؤں پر جا گری وہ اتنی تیز تھی کہ پاؤں کے انگوٹھے پر اپنا نشان چھوڑ گئی اور خون کٹ سے ابھر کر باہر آنے لگا۔

"اوہ مائی گاڈ۔" ضحیٰ فوراً اس کی جانب لپکی اس نے چھری اٹھا کر سائڈ پر رکھی فوراً فرسٹ ایڈ باکس لینے باہر گئی۔

"تم کیا کوئی بچے ہو ہاں؟ ایک چھری تو پکڑنے آتی نہیں ہے اور کھانے بنانے چلے۔۔۔تمہیں ضرورت کیا تھی اتنی بڑی ذمہ داری لینے کی؟"

ضحیٰ اس پر ایسے برس رہی تھی جیسے پاؤں حذیفہ کا نہیں ضحیٰ کا اپنا کٹ گیا ہو اور وہ بلکل چپ نارمل کھڑا اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ضحیٰ نے اسے کرسی پہ بٹھایا خود نیچے بیٹھ کر انگوٹھے کی بینڈیج کرنے لگی۔

"اگر روز ہی اس طرح کی ٹریٹمنٹ ملے تو میں روز ہی چھری اپنے اوپر گرا لوں۔" اس نے بے اختیار سوچا اور زیر لب مسکرایا۔

وہ اب بینڈیج کر رہی تھی۔۔۔آہ اس کے ہاتھوں کا لمس کتنا نرم تھا بلکل اس کے دل کی طرح وہ اٹھ کر چلی گئی اور وہ اب کام اور بھی خوش مزاجی اور دل سے کرنے لگا۔

تقریباً سات بجے کے قریب اس کی دنوں ڈشز ریڈی تھیں۔ اس نے چولہے بند کیے اور فریش ہونے

کے لیے اپنے روم میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

"بھئی واہ آج تو کھانے پر مزا ہی آگیا، خاص طور پر تھائے سوپ پی کر تو مجھے لنڈن کا ٹرپ یاد آگیا۔"
عابد اشتیاق کے دوست نے گرین ٹی پیتے ہوئے کہا حذیفہ ان کے برابر میں ہی بیٹھا تھا۔
"مزا آتا بھی کیوں نہ حذیفہ نے جو بنایا ہے۔" انہوں نے حذیفہ کے کندھے کو تھپتھپا کر کہا۔
"مذاق مت کرو۔" دوسرے دوست کو جیسے یقین ہی نہیں آیا۔
"نہیں بھائی میں تم سے اس وقت مذاق کیوں کروں گا۔"
"یقین ہی نہیں آرہا یار تم نے اتنا اچھا کھانا بنالیا۔" سب حذیفہ کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
"میں دبئی میں بھی اکثر کوکنگ کرتا تھا تو سوچا یہاں بھی گھر والوں کو بنا کر کچھ کھلاؤں اس میں اتفاق ہوا کہ آپ لوگوں نے میرے ہاتھ کا بنا کھانا کھایا۔ جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔" اس نے بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بولا ساتھ بیٹھی ضحیٰ کا بس چلتا تو گرین ٹی کا کپ اس پر اچھال دیتی۔
پھر عابد اشتیاق اور ان کے رفقاء گپ شپ میں مصروف ہو گئے اور وہ ایکسکیوز کر کے وہاں سے اٹھ آیا آج اس کی توقع کے خلاف اسے سراہا گیا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس قدر اچھا کھانا بنا پائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ حد سے زیادہ تھکن کے باوجود بھی وہ سکون و راحت میں تھا۔
"دسمبر کا مہینہ بھی شروع ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سال بھی کتنی جلدی گزر گیا ناں؟" تنزیلہ بیگم تھکی ہاری بستر پر لیٹی نہ جانے کن کن خیالات سے ہوتے ہوئے اس بات پر پہنچی تھی۔ وہ جو فیض احمد فیض کی شاعری پڑھ رہے تھے بیگم کی بات سنی تو انکی طرف متوجہ ہو گئے۔
"ہاں بہت جلدی گزر گیا بہت ساری خوشیاں اور بہت سے غم بھی اپنی جھولی میں ڈالتا گیا۔ اسی سال بہت سے اپنے مل گئے اور اسی سال اپنے بچھڑ بھی گئے۔" وہ بات کرتے کرتے ایک دم افسردہ ہو گئے تنزیلہ بیگم بھی چپ سی ہو گئیں۔
"اسی مہینے میں ضحیٰ کی ہارٹ سرجری ہے۔ وہ دن سوچ سوچ کر میرا دل بیٹھ ہی جاتا ہے۔ ابھی تک ضحیٰ اس

بات سے بے خبر ہے اسے اسی مہینے کی دس تاریخ کو ایڈمٹ ہونا ہے۔" تنزیلہ بیگم کے چہرے سے پریشانی اور فکر کے آثار نمایاں تھے۔

"میں اس سے ایک دو دن میں اس حوالے سے بات کروں گا تم فکر نہیں کرو ہماری بیٹی بہت بہادر ہے دیکھنا وہ کیسے خوشی خوشی اس سرجری کے لئے مان جائے گی۔" عابد اشتیاق نے اپنی بیگم اور خود کو تسلی دی تھی۔

وہ چپ چاپ بغیر آواز کئے اس کے کمرے میں داخل ہوا، کمرے میں ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا ہلکی ہلکی روشنی سائڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ پھینک رہا تھا مگر وہ روشنی کچھ بھی دیکھنے کے لئے ناکافی تھی۔ اطراف میں رکھی چیزیں ہی ہلکی ہلکی نظر آ رہی تھیں۔ اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے وہ بہت ہی سنبھل کر چل رہا تھا آخر کار وہ چیزوں سے بچتا بچاتا سائیڈ ٹیبل تک پہنچ گیا۔ اس نے بہت ہی احتیاط سے جیب سے لفافہ نکالا اور وہاں رکھ دیا۔ وہ نازنین ماہ جبین لحاف اوڑھے دنیا سے بے خبر سو رہی تھی وہ ایک لمحے تک اس کو دیکھتا رہ گیا وہ کتنی معصوم لگتی تھی بلکل کسی پری کی طرح مگر اس نے ہمیشہ اس کے لیے اپنے دل میں کراہیت رکھی اسے برا سمجھا دولت اور شہرت کے گھمنڈ میں وہ ان رشتوں سے کتنا بے خبر تھا کہ اسے ان کی کوئی قدر نہ تھی۔ اسے اسی لمحے اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔ وہ وہاں سے نکل آیا اور اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نہ جانے کس کس احساسات نے اسے جکڑ لیا تھا۔ احساس ندامت، احساس شرمندگی اور احساسِ کمتری۔ وہ ایک لفظ "احساس" جس کا اس کی زندگی میں کوئی کام نہیں تھا آج وہ "احساس" نہیں بلکہ احساسات سے آشنا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا حال کوئی پوچھتا کہ اب وہ کیا چاہتا ہے اگر کوئی پوچھتا تو وہ بتاتا کہ میں اپنے کئے کی گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں چیخ چلا کر بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے احساس ہو گیا ہے، مجھے رشتوں کی پوری طرح تو نہیں پر تھوڑی بہت سمجھ آ گئی ہے اب میں قدر کرنے لگا ہوں ان لوگوں کی جو کسی بھی رشتے میں جڑے ہیں۔"

☆.....☆.....☆

"عالیان؟ عالیان؟" آواز اتنی دور سے آئی تھی مگر بہت اونچی تھی اتنی کہ اوپر سوئے حذیفہ کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ اور بے اختیار وہ پلنگ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا وہ کہاں ہے۔ دوسری جانب پودوں کی کاٹ کٹائی کرتا ہوا عالیان بھی تمام اوزار رکھ کر سیدھا کھڑا ہوا تو دور سے ہی ضحیٰ آتی دکھائی دی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کا

نام تب ہی پکارتی تھی جب وہ غصے میں ہوتی تھی اور آج وہ واقع اس پر برسنے والی تھی۔

"میری فیس بک آئی ڈی کا پاس ورڈ کیوں چینج کیا آپ نے؟" وہ ہاتھ میں لیپ ٹاپ لئے کھڑی خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوگیا ضحی؟ بھلا میں تمہاری آئی ڈی کا پاس ورڈ کیوں بدلوں گا۔کوئی اور مسئلہ ہوگیا ہوگا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے فوراً اپنے کام میں مصروف ہوگیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کی طرف دیکھے گا تو اپنی ہنسی نہیں روک پائے گا۔

"اچھا واقع؟ تو ایسا کریں کہ آپ لوگ ان کر کے مجھے دکھا دیں۔۔۔" وہ اس کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور لیپ ٹاپ اسکی جانب بڑھا دیا۔

"ضحی کیا تم دیکھ نہیں رہی میں کام کر رہا ہوں بعد میں دیکھوں گا کہ کیا مسئلہ ہوا ہے۔" عالیان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وہاں سے کسی دور کر زور زور سے ہنسے۔

"اوکے مت کریں۔پھر میں کشمالہ کا قصہ امی نہیں بلکہ ابو کو بتا کر آتی ہوں۔وہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ بھی اسی کی بہن تھی اسے لائین پہ لانا جانتی تھی۔

"رکو ضحی کہاں جا رہی ہو؟" وہ فوراً اس کی جانب دوڑا۔

"کیا مسئلہ تھا؟" ضحی زیر لب مسکرا رہی تھی۔

اس نے اس کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لیا اور فوراً پاس ورڈ ڈال دیا آئی ڈی کھل گئی۔ساتھ ساتھ پاس ورڈ بھی بتا دیا۔

"اب آئندہ کشمالہ کی بات کا ذکر کسی سے مت کرنا۔"

"اب آئندہ آپ بھی پاس ورڈ چینج کرنے والی حرکت مت کیجئے گا۔" وہ کہہ کر اندر چلی گئی اور اسے مسکرا کر دیکھنے لگا۔

ٹیرس پہ کھڑے حذیفہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆.....☆.....☆

کشمالہ اور ضحی کی دوستی کالج میں ہوئی تھی کشمالہ جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی خوب سیرت بھی اس لئے ان

دونوں میں میل ملاپ بھی کافی حد تک تھا۔کشمالہ آئے دن ہی ضحیٰ کے گھر پائی جاتی تھی۔جب عالیان نے پہلی مرتبہ اسے دیکھا تو وہ اور ضحیٰ ٹیرس پر بیٹھے نوٹس تیار کر رہی تھیں۔وہ ایک لمحے تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔بھورے مائل لمبے بال جس کی اس نے پونی ٹیل بنائے رکھی تھی اس کی سرخ وسفید رنگت وہ سرتاپا کوئی پری لگتی تھی وہ پہلی نظر تھی اور پہلی ہی نظر میں اسے دل دے بیٹھا تھا کہتے ہیں کہ اگر محبت کسی سے ہونی ہو تو ایک نظر میں ہو جاتی ہے اور اگر نہ ہونی ہو تو صدیاں بھی لگ جاتی ہیں وہ اکثر و بیشتر ضحیٰ سے کشمالہ کے متعلق پوچھتا رہتا اور ایک دن تو ضحیٰ چڑ کر اس سے پوچھ ہی بیٹھی۔

"بھائی آپ کشمالہ کے مطابق اتنا کیوں پوچھا کرتے ہیں؟"

"کیونکہ جس طرح مجھے تم پسند ہو اسی طرح مجھے وہ بھی پسند ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان سے سچ نکل گیا۔اگر دلوں کے راز عیاں ہو جائیں تو چین بھی بحال ہو جاتا ہے۔

"پر میں تو آپ کی بہن ہوں کیا وہ بھی آپ کی بہن ہے۔" ضحیٰ نے اسے چھیڑا تھا جس پر وہ خاموش ہو گیا اور ضحیٰ زور زور سے ہنسنے لگی۔

پھر کالج لائف ختم ملنا ملانا بھی کم ہو گیا اور عالیان کی بھی جاب روٹین ٹف ہو گئی تھی اب کبھی کبھی وہ ضحیٰ کی فیس بک آئی ڈی کے ذریعے اس سے ضحیٰ بن کر بات کرتا تھا اور اب کی بار ضحیٰ کو تنگ کرنے کے لئے اس نے پاس ورڈ ہی بدل ڈالا تھا اور وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ وہ خود ہی اسے پاس ورڈ بتا دے گا کیونکہ وہ ایسی حرکتیں بچپن سے کرتے آرہے تھے اور ہر بار ضحیٰ اس سے خود یا امی ابو کی دھمکی دے کر اپنے کام منوا لیتی تھی۔

"کیا آپ نے میرے لیپ ٹاپ کا چارجر دیکھا ہے؟" حذیفہ نے لاونج میں بیٹھی تنزیلہ بیگم سے پوچھا۔

وہ کچھ دیر بنا کوئی تاثر دیئے گھورتی رہیں جیسے اس کی آنکھیں پڑھنا چاہ رہی ہوں یا۔۔۔

"آنٹی؟" حذیفہ نے پھر سے انہیں پکارا۔تنزیلہ بیگم کا یہ رویہ اسے غیر معمولی لگا۔

"نہیں میں نے نہیں دیکھا۔" انہوں نے اس کے سوال کا جواب دیا اور نظریں ٹی وی پر جما لی۔

وہ نظریں جھکائے وہاں سے چلا گیا۔مگر رات تک ایک عجیب سی بے چینی اس کے اندر رہی پورے دن میں اس کا اور ضحیٰ کا سامنا نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتا۔کوئی بات تھی جو اس نے تنزیلہ بیگم

کے رویے میں محسوس کی تھی وہ جب سے اسے پریشان کر رہی تھی۔

کھانے کی میز پر بھی سب کا رویہ معمول کے مطابق تھا سوائے تنزیلہ بیگم کے۔ وہ نہ جانے کیوں اس سے کھنچی کھنچی دکھائی دے رہی تھیں۔ حذیفہ کا دماغ بار بار کسی خطرے کی طرف نشاندہی کر رہا تھا اس سے ٹھیک طرح کھانا بھی نہیں کھایا گیا وہ جلدی ہی اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"آج کی چائے میں وہ مزا نہیں آرہا جو روز آتا ہے۔" عابد اشتیاق نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے تنزیلہ بیگم کو مخاطب کیا جو کہیں دور کھوئی ہوئی تھیں ان کی آواز تنزیلہ بیگم کو واپس دنیا میں لے کر آئی۔

"جی آج ضحیٰ کافی تھک گئی تو سونے کے لئے چلی گئی ہے چائے میں نے بنائی۔"

"دیکھا میں کیسے تمہارا اور اپنی بیٹی کے ہاتھ کا ذائقہ پہچان لیتا ہوں۔" وہ خود ہی اپنے آپ کو داد دیتے ہوئے گویا ہوئے مگر تنزیلہ بیگم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا بات ہے تنزیلہ تم کھوئی کھوئی سی لگ رہی ہو۔ رات کے کھانے پر بھی تم چپ چپ سی تھی کیا کوئی بات ہوئی ہے۔"

انہوں نے بغیر کوئی جواب دیے سائیڈ ٹیبل پر رکھا وہ کاغذ کا رقعہ اٹھایا اور انہیں تھما دیا وہ اس کو ہاتھ میں لیے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

دوپہر میں جب عظمیٰ ضحیٰ کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی تو اس کو سائیڈ ٹیبل پر یہ خط ملا ضحیٰ کی جلدی میں اس پر نظر نہیں پڑی ہوگی تو عظمیٰ نے مجھے لا کر دیا۔

"مگر اس میں ہے کیا؟" وہ تفکرانہ انداز میں پوچھنے لگے۔

"آپ خود دیکھ لیں۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"یہ خوشخطی تو بھائی جان کی ہے۔" وہ زیر لب اپنے آپ سے ہی مخاطب ہوئے تھے مگر آواز تنزیلہ بیگم نے سن لی تھی۔

جوں جوں وہ خط پڑھتے گئے چہرے سے پریشانی جھلکنے لگی ماتھے پر شکن نمودار ہوئی مگر وہ مضبوط اعصاب کے مالک تھے تو فوراً ہی اپنے آپ کو نارمل کر لیا۔

تنزیلہ بیگم تو دوائی لیتے ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی تھیں۔ جبکہ عابد اشتیاق دوائی لینے کے باوجود کروٹ بدلتے رہے۔

نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی کوئی فکر تھی جو ان کو چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"ضحیٰ اب وہ بات کرتا ہوں جس کو سننے کے لئے تمہیں بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔"

وہ صبح عابد اشتیاق کو اخبار دینے گئی تو انہوں نے اسے اپنے پاس ہی بٹھالیا۔

"جی ایسی کیا بات ہے؟" ضحیٰ اس کا یہ عجیب سا انداز دیکھ کر چونک گئی۔

"یہ تو وہی بات ہے جس کو تم ہمیشہ ٹال دیتی ہو لیکن اس بار "نہ یا نہیں" کی گنجائش نہیں ہے۔" ضحیٰ اب بات سمجھ گئی تھی۔

"مگر ابو۔"

"ضحیٰ بس۔" وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ عابد اشتیاق نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"دو دن بعد تمہاری سرجری ہے اور اس بار کوئی حیلے بہانے سننے کی گنجائش نہیں ہے۔" وہ یہ بات اپنے دل پر پتھر رکھ کر کہہ رہے تھے۔

وہ اپنی بیٹی کی زندگی میں روشنی لانے کے لئے یہ رسک لینے کے لیے بھی تیار تھے۔

وہ بات مکمل کر کے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے کمرے سے چلے گئے مگر ضحیٰ وہیں بیٹھی رہی۔ وہ اپنے اندر کے خوف و وسوسے سے لڑ رہی تھی۔

وہاں وہ اکیلی نہیں تھی بلکہ کوئی اور بھی تھا کسی اور نے بھی یہ بات چھپ کے ہی سہی مگر سن لی تھی۔

اس کا دن سوچتے سوچتے گزر گیا اور شام بھی یوں ہی گزر گئی۔ کل صبح اسے ایڈمٹ ہو جانا تھا اور اب یہی ایک سوچ تھی جو اسے چین سے سونے بھی نہیں دے رہی تھی وہ جب بیڈ پر لیٹے لیٹے تھک گئی تو نیچے لان میں چلی آئی جہاں ہوا کے ٹھنڈے جھونکے نے اس کا استقبال کیا سردیاں ہمیشہ سے اسے پسند تھیں یہی وجہ تھی کہ خاص طور پر

سردی کی راتوں میں لان میں آ کر بیٹھ جایا کرتی تھی بنا کسی سویٹر یا شال کے آج بھی وہ صرف ڈوپٹہ پہن کر نیچے چلی آئی تھی۔ مگر یہ کیا جہاں وہ ہمیشہ بیٹھا کرتی تھی آج وہاں کوئی اور بیٹھا تھا شاید اس کی بھی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی وہ واپس پلٹی ہی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"ضحیٰ۔"

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"آج زبان پر لگے تالے کیسے کھل گئے۔" وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ وہ اس کے پاس بنا کوئی سوال کیے چلی آئی۔

"کیا تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھ سکتی ہو؟" حذیفہ نے التجائیہ انداز میں اس سے کہا۔

"نہیں مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہی ہوں۔"

"اگر تمہیں نیند آ رہی ہوتی تو تم اتنی رات یہاں نہیں آتی۔"

"تمہیں اس سے مطلب؟" وہ ابرو اچکائے اس سے پوچھ رہی تھی مگر وہ چپ رہا۔

"پہلے ہی دیر ہو گئی ہے، اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے میری بات سن لو۔"

وہ جو پلٹنے ہی لگی تھی ٹھٹک کر رک گئی حذیفہ آنکھ بند کیے ہاتھ جوڑے گھٹنوں کے بل بیٹھا اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ ضحیٰ نے اپنی آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے مسل کر دوبارہ وہی منظر دیکھا۔

"ضحیٰ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا گناہ گار ہوں میرا یقین کرو کہ آج تک جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا وہ قابل معافی نہیں ہے مگر وہ سب میں نے لاشعوری اور کم علمی میں کیا۔

ضحیٰ میری بنیاد ہی ان چیزوں پر رکھی گئی تھی جو ایک اچھا نیک اور با اخلاق انسان بننے میں کبھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی تھیں میں بے حس تھا رشتوں کا تقدس کیا ہوتا ہے اس سے انجان تھا میں اپنے آپ کو کسی آسمان کا پنچھی سمجھتا تھا میری انا ہی میرے لیے سب کچھ تھی ضحیٰ مگر اب میں ویسا بلکل نہیں رہا۔

میرے اندر کی گھٹن بے چینی بڑھتی جا رہی ہے وہ آگ جو میں نے خود اپنے ہاتھ سے ماضی میں لگائی تھی آج اس آگ کی تپش مجھے جھلسا رہی ہے برائے کرم مجھ پر پانی ڈال دو مجھے سکون معافی سے ہی ملے گا۔"

"میں حذیفہ اکبر آج تم سے آج اپنی ہر غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کردو۔ معاف کردو۔"

اس کا چہرہ اب آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا اس نے اپنی بند آنکھیں آہستگی سے کھولیں مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ وہیں بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا اس نے اپنی انا کو کچل دیا تھا نہ جانے کتنی ہمت جمع کر کے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہا مگر وہ معاف کرنا تو دور کی بات اس نے اس کی سنی تک نہیں۔

افسوس ندامت رہا اپنی قسمت پر اے صاحب
جن سے تھی توقع محبت وہ ہی ساتھ چھوڑ گئے۔

☆.....☆.....☆

صبح جس وقت وہ فریش ہو کر ناشتے کی میز پر آیا وہاں کوئی نہ تھا عموماً اس وقت گھر کے تمام لوگ ناشتے کی میز پر ہی ہوتے تھے۔ اس کا دماغ کسی خطرے کی گھنٹی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" اس نے خانساماں سے پوچھا۔

"آج ننھی بی بی کو ایڈمٹ کرنا تھا تو سب ہسپتال میں ہیں۔" حذیفہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔ پھر وہ وہاں ایک منٹ بھی نہیں رکا۔ باہر ڈرائیور کو اس نے اپنا منتظر پایا جس نے اسے فوراً ہسپتال پہنچا دیا۔

"بیٹا تم سو رہے تھے ہم نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" تنزیلہ بیگم نے اسے آتا ہوا دیکھا تو وہ کھڑی ہو کر اس کی جانب بڑھیں۔

"آپ اس طرح یوں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں عالیان اور چاچو کہاں ہیں؟" حذیفہ ان کی بات کا جواب دیئے بغیر سوال پوچھنے لگا۔

"بیٹا یہ ہماری بدقسمتی ہی تھی کہ آج صبح ہی عالیان کو ضروری میٹنگ کے لئے کمپنی کی طرف سے اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ وہ میٹنگ بھی بہت ضروری ہے۔۔۔۔ تمہارے چاچو ڈاکٹر سے بات کرنے گئے ہیں۔" وہ جواب میں خاموش رہا حالانکہ وہ یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ننھی کہاں ہے مگر نہ جانے کیا ہوا اس کی زبان ہلنا بھول گئی تھی۔ جسم کی ساری ہمت ختم ہو گئی تھی۔

"شکر ہے کہ حذیفہ تم آ گئے بیٹا۔ اس وقت ہمیں تمہارے سہارے کی بہت ضرورت ہے۔" عابد چاچو ریسپشن

سے ہو کر آئے تو اسے دیکھ کر انہیں اطمنان ہوا۔

"میں آپ کے ہر وقت میں آپ لوگوں کا سہارا بننا چاہتا ہوں۔" اس نے بے اختیار دل میں سوچا۔

"فکر نہیں کریں سب اچھا ہوگا۔" اس نے ان دونوں کو دلاسا دیا۔

"ضحی کی سرجری شروع ہونے ہی والی ہے بس دعا کرو بیٹا وہ بلکل صحت یاب ہو جائے۔"

"آمین" اس کے دل کے ہر کونے سے یہی صدا آئی تھی۔

تنزیلہ بیگم مسلسل قرآنی آیات اور سورت پڑھ رہی تھیں جبکہ عابد اشتیاق کرسی پر بیٹھے بجھے بجھے اور پریشان سے دکھ رہے تھے عالیان کی ہر تھوڑی دیر کے بعد کال آرہی تھی اور حذیفہ۔۔۔۔اس کو نہ بیٹھنے سے سکون مل رہا تھا نہ کھڑے رہنے پر آرام آرہا تھا۔

دل بس ایک دعا مانگ رہا تھا کہ وہ بس ٹھیک ہو جائے۔

"کیا یہاں مسجد ہے قریب؟" اس نے پاس سے گزرتے کسی آدمی سے پوچھا۔

"جی ٹاپ فلور پر۔" وہ چاچو چاچی کو ایک کام کا کہہ کر مسجد چلا آیا اس نے وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"میں نے جو آج تو تک غلطیاں اور گناہ کئے وہ انجانے میں کئے ہیں نادان تھا میرے مولا مجھے معاف کر دیں میں جس کو نہ سلیقہ دعا آتا ہے نہ ادائیگی نماز بس تیرے دربار میں آگیا ہوں مجھے ایک آخری موقع دے دیں تاکہ میں اپنی غلطی سدھار سکوں۔" اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

اس کو جتنا سکون مسجد میں ملا اس سے پہلے کہیں نہیں ملا تھا۔

وہ جب نیچے آیا تو تنزیلہ بیگم اور عابد اشتیاق کے چہروں پر واضح سکون اور اطمینان دیکھ کر اس نے صورتحال کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ضحی کی سرجری کامیاب رہی۔" عابد چاچا اس سے گلے لگ کر خوشخبری سنانے لگے۔وہاں تنزیلہ بیگم عالیان کو خوشی سے یہ خبر سنا رہی تھیں۔

حذیفہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تو میرے رب نے وہ آخری موقع مجھے دے دیا۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر لاکھ شکر کیا۔

جس وقت ضحیٰ نے اپنی آنکھ کھولی اس کے پاس سب لوگ موجود تھے۔ عالیان بھی میٹنگ کے ختم ہوتے ہی پہلی فلائیٹ سے کراچی پہنچ گیا۔ حذیفہ تو نہ جانے اس لمحے کا کب سے انتظار کر رہا تھا مگر جب اس نے ضحیٰ کو دیکھا تو اس کے لئے یہ ماننا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ ضحیٰ ہے۔ وہ ضحیٰ تھی ہی نہیں پہلے سے زیادہ کمزور آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے پیلی زرد رنگت وہ پہلے سے زیادہ کمزور نظر آ رہی تھی۔ وہ دواؤں کے زیر اثر تھی اسی لیے فوراً بے ہوشی کی حالت میں چلی گئی۔ تنزیلہ بیگم تو اسے دیکھ کے ہی رونا شروع ہو گئی تھیں۔ آخر کونسی ماں اپنی بچی کو ایسی حالت میں دیکھ سکتی ہے عالیان مسلسل انہیں دلاسا دے رہا تھا مگر آنسو تھے کہ تھم نے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

دو ہفتے بعد۔۔۔۔

"ضحیٰ نہیں ابھی بلکل اٹھنے کی کوشش نہیں کرنا۔ ڈاکٹر نے بہت زیادہ احتیاط کرنے کو کہا ہے۔"

"مگر بھائی میں لیٹ لیٹ کر تھک گئی ہوں۔ میں اب اٹھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں ابھی تمہاری حالت ایسی نہیں ہے۔ ابھی تمہیں آرام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔"

"مگر۔۔۔۔"

"اگر مگر کچھ نہیں پہلے تم ہسپتال میں ضد کرتی رہی گھر جانا ہے اب جب گھر آئی ہو تو کھڑے ہونے کی ضد کر رہی ہو۔" عالیان سختی سے گویا ہوا۔

"اچھا آئیم سوری۔" ضحیٰ نے اس کا موڈ دیکھ کر اسے منانے کی کوشش کی۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟" عالیان نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"نہیں مجھے پتا ہے کہ آپ یہی کہو گے کہ ٹھیک ہو جاؤ پھر کھلاؤں گا۔" ضحیٰ نے چڑ کر کہا۔ اس بات پر عالیان نے پرزور قہقہہ لگایا۔

"عالیان تمہیں چاچی بلا رہی ہیں۔" حذیفہ دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا۔ ضحیٰ نے اس پر ایک نظر ڈالی تو اسے دیکھتی رہ گئی سفید شلوار قمیض میں ملبوس ماتھے پہ بکھرے بال وہ کس قدر حسین لگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر

کے لئے مگر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا طریقہ وہ خوب جانتا تھا۔

"اچھا تم بیٹھ جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" عالیان حذیفہ کو کہہ کر نیچے چلا گیا۔ جب سے ضحیٰ گھر آئی تھی وہ ضحیٰ کے کمرے میں کم سے کم آتا تھا۔ وہ ابھی اتنی ہمت نہیں رکھتا تھا کہ اسے بستر پر دیکھے۔ وہ بیڈ کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ضحیٰ نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی پانی کی بوتل سے پانی بھرنا چاہا مگر ناکام رہی۔ اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھا کر بوتل قریب کرنے کی کوشش کی تو بوتل گرتے گرتے بچی حذیفہ اٹھ کر اس کی جانب بڑھا گلاس میں پانی بھرا اس کا تکیہ سیدھا کر کے اسے بٹھانے کی کوشش کی اور اسے پانی پلایا۔

ضحیٰ کو اپنے اوپر غصہ آیا کہ اس کی موجودگی میں ہی اسے پانی کی پیاس کیوں لگی اور اگر اس نے پانی پلانا چاہا بھی تو ضحیٰ نے اسے روکا کیوں نہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں عالیان واپس آگیا اور حذیفہ کام کا بہانہ بنا کر کے وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

آج اتوار کا دن تھا۔ عابد اشتیاق اور عالیان ضحیٰ کو صبح سویرے لان میں لے آئے تھے۔ ڈاکٹر نے اسے چہل قدمی کرنے کو کہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب ضحیٰ کو تھکن محسوس ہونے لگی تو وہ وہیں کرسی پر عابد اشتیاق کے ساتھ بیٹھ گئی۔ عالیان کو اسکے دوست بلانے آگئے تھے تو وہ اجازت لے کر جاگنگ کے لئے نکل گیا۔

"ماشاءاللہ آج تو تم پہلے سے بہت بہتر لگ رہی ہو۔" عابد اشتیاق نے پیار سے اپنی پیاری بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی آج مجھے بھی اپنا آپ سکون میں لگ رہا ہے۔"

"بیٹا میں تم سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" عابد اشتیاق نے موقع کی مناسبت اور ضحیٰ کو تندرست دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے ابو؟" ضحیٰ نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"حذیفہ تمہیں کیسا لگتا ہے؟" عابد اشتیاق نے بغور دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

وہ خاموش رہی۔

"دیکھو بیٹا ہم دونوں میں ہمیشہ باپ بیٹی کے تعلق سے زیادہ دوستی کا تعلق رہا ہے اسی لئے مجھ سے شرماؤ مت جو بھی بات ہے تم مجھ سے کر سکتی ہو میں نے اس معاملے میں حذیفہ سے بھی بات کی ہے اس نے تمام فیصلوں کا حق مجھے دے دیا ہے۔ تمہاری جو رائے ہوگی اس کے مطابق ہی فیصلہ ہوگا۔" وہ خاموش ہوئے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے ضحیٰ ان کی نظروں سے پریشان ہوگئی۔

"میں یا اس گھر کا کوئی فرد تم پہ اپنی مرضی نہیں تھوپ سکتے تم ہاں کہو یا نہ ہمیں تمہارا جواب دونوں ہی صورتحال میں قبول ہوگا۔" میں یہ چاہوں گا کہ نہ کہنے سے پہلے تم اس خط کو ضرور پڑھ لینا جو میرے مرحوم بھائی نے تمہارے لئے لکھا تھا انہوں نے اسے کاغذ کا رقعہ تھمایا۔

اس نے وہ خط پڑھنا شروع کیا۔

"فارمائی نیس۔"

پیاری ضحیٰ!

"میں بہت ہی ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنے کے لئے آج کی فلائیٹ سے نیویارک جا رہا ہوں، میں شرمندہ ہوں تم سے کیونکہ میں تمہیں زیادہ وقت نہ دے سکا نہ ہی صحیح طرح سے مہمان نوازی کر سکا میں جانتا ہوں کہ حذیفہ کا پہلے دن سے تمہارے ساتھ اچھا رویہ نہیں ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہیں اس بات سے کتنا دکھ پہنچا ہے مگر میری جان میرا یقین کرو اگر آج حذیفہ کا رویہ غلط ہے تو صرف میری وجہ سے، اگر آج وہ رشتوں کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تو صرف میری وجہ سے۔ میں نہ تو اس کو باپ کا پیار دے سکا نہ ہی ماں کا۔ میں اپنی منزل کو پانے کے لیے جس ریل میں سوار ہوا تھا اس ریل نے اپنا سفر آج تک ختم نہیں کیا بلکہ مجھ سے اسی سفر میں کئی رشتے، کئی اپنے بچھڑ گئے۔ اس میں ایک رشتہ باپ بیٹے کا بھی تھا۔ بیٹا میں ساری زندگی رشتوں سے دور رہا رشتوں کی نزاکت کو سمجھ نہ سکا اور اس کا افسوس مجھے تا عمر رہے گا۔ میری تم سے آخری التجا یہی ہے کہ حذیفہ کا ہاتھ تھام لینا تا کہ اسے میری طرح رشتوں کو پا کے قدر نہ کرنے کا افسوس نہ رہے اسے معاف کر دینا اور ساتھ ساتھ مجھے بھی۔ میری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔"

-اکبر اشتیاق

اس کی آنکھیں برس رہی تھیں لب کانپ رہے تھے عابد اشتیاق کی آنکھوں میں بھی نمی نمودار ہو گئی تھی۔

"ابو۔" وہ کافی دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد گویا ہوئی۔

"جس طرح تایا جان کو اپنے کچھ فیصلوں کی وجہ سے ساری زندگی پشیمانی رہی میں نہیں چاہتی کہ وہی شرمندگی میری زندگی کا بھی اثاثہ بن کر رہ جائے۔" وہ نظریں جھکائے کہہ رہی تھی ہاتھ میں پکڑا وہ خط آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

"آپ جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے وہ قبول ہوگا۔" ضحیٰ کی اس بات نے عابد اشتیاق کے چہرے پر گہری مسکراہٹ دوڑا دی۔ انھوں نے ضحیٰ کو گلے سے لگایا۔

"بے شک ہر غم کے بعد راحت ہے۔"

"میں نے حذیفہ کو دل سے معاف کیا۔ اللہ آپ بھی اسے معاف کر دیں۔" اپنے ابو کی آغوش میں آ کر اس نے حذیفہ کو بھی دل سے معاف کر دیا۔

☆.....☆.....☆

"ضحیٰ میری رسٹ واچ نہیں مل رہی کیا تم نے دیکھی ہے؟ وہ لیونگ روم میں کھڑا ضحیٰ سے پوچھ رہا تھا۔

"حذیفہ سائیڈ ٹیبل پر ہی ہے۔"

"ارے یار نہیں مل رہی کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"حذیفہ آپ کو نا کوئی چیز نہیں ملتی میں برتن دھو کر ڈھونڈ دیتی ہوں۔"

"مجھے ابھی ضروری کام سے جانا ہے یار بعد میں دھو لینا۔"

"اچھا بابا آتی ہوں۔" وہ جیسے ہی بیڈ روم میں داخل ہوئی گلاب کی پتیوں نے اس کے نرم و ملائم پاؤں کو چھوا۔ کمرے میں ہر سو گلاب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور کمرے کے وسط میں ٹیبل پر بہت ساری موم بتیوں کے درمیان چاکلیٹ براؤن کیک رکھا تھا جس پر ہیپی سکس منتھ آف اور ویڈنگ

(Happy Six Month of our Wedding)

لکھا تھا ساتھ ہی ایک لفافہ رکھا تھا۔

وہ یہ سب دیکھ پھولے نہیں سما رہی تھی۔اس نے بے اختیار پیچھے دیکھا جہاں حذیفہ دیوار سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں بے حد پیار تھا۔

"تھینک یو سو مچ! یہ سب واقع بہت حسین ہے۔"

"یہ سب حسین صرف تمہاری وجہ سے ہے۔" وہ اس کی آنکھوں کی گہرائی ناپ نہیں سکتی تھی مگر ناپ بھی لیتی تو آخر تک اسے اپنے لئے محبت ہی نظر آتی۔اس نے بے اختیار اس لفافے کو دیکھا اور اسے کھول کر پڑھنے لگی جس پر لکھا تھا۔

"میری آخری التجا تم اور تمہاری محبت ہوگی۔" یہ پڑھ کر وہ بے اختیار پلٹی اور اس کے سینے سے جا لگی ایک حسین اور خوشگوار زندگی ان دونوں کی منتظر تھی۔

ختم شد